بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد نمبر ۶۴

شمارہ نمبر ۵، ۶، ۷

مئی، جون، جولائی ۲۰۲۰ء

MAY, JUNE, JULY 2020

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان : ۳۰۰/روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک : ۴۰/امریکی ڈالر

فی شمارہ : ۳۰/روپے

لائف ٹائم خریداری : ۸۰۰۰/روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں، اگر مدت خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پرچی پتہ کی چٹ پر لگی ہو تو براہ کرم مدت خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (منیجر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

مجلس ادارت

میمونہ حسنی — عائشہ حسنی

جعفر مسعود حسنی — محمود حسن حسنی

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

زر تعاون اور خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

پن کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ: ناشر کمپیوٹر، لکھنؤ۔ فون: 9792913331

E-Mail : azizpaitepuri@gmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے ..... مدیر 5
- حدیث کی روشنی میں ..... امۃ اللہ تسنیم 6
- غزوۂ احد: عبرت وموعظت کے پہلو ..... مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 8
- باشعور انسان اور بے شعور انسان ..... مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی 14
- رسول اکرم کائنات کی ہر مخلوق کیلئے رحمت ہیں ..... سرفراز احمد ملی القاسمی 17
- حج اور قربانی کی حقیقت ..... مولانا سید سلیمان ندویؒ 20
- معاشرتی واخلاقی زوال اور نجات کی راہ ..... ڈاکٹر انیس احمد 23
- انسانی حقوق کا بین الاقوامی منشور اور اسلامی تعلیمات ... سید جلال الدین عمری 26
- زبان وبیان میں شرعی بے اعتدالیاں ..... مفتی منیب الرحمٰن 30
- حوصلہ افزائی، تملق ومدح سرائی شرعی حدود واحکام .. مفتی شکیل منصور القاسمی 33
- سوال وجواب ..... مفتی راشد حسین ندوی 36
- میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ ..... بحوالہ روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد 37
- آخری صفحہ ..... مولانا قمر الزماں ندوی 40-42

اپنی بہنوں سے

مدیر

قارئین رضوان کو جو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی اس کے اسباب سے سبھی لوگ اچھی طرح واقف ہیں اس کا ذکر کرنا عبث ہے۔ اس وقت پوری دنیا کورونا کی وبا کی لپیٹ میں ہے ہر کام متاثر ہے۔

اس وقت پوری طرح اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرنا چاہئے اور اپنی اصلاح کی فکر کرنا، گناہوں سے بچنا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگ جانا چاہئے، دعا اور مناجات اور درود شریف کی کثرت کرنا اس مہلک وبا کے دفعیہ کے لئے تیر بہدف ہے جتنا زیادہ ہم لوگ دعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر یقین رکھتے ہوئے اس سے عافیت مانگیں گے اور اس کی امان میں پناہ لیں گے تو ان شاء اللہ ضرور عافیت نصیب ہوگی اور اس بلاء اور اس کے نقصانات سے چھٹکارا ملے گا۔

ماہنامہ رضوان کے سلسلے میں پوری کوشش کی جارہی ہے وہ اس خدمت کو جاری رکھے جو اوّل روز سے اس کا مقصد رہا ہے۔ اور اس راہ میں جو دشواریاں اور مالی پریشانیاں آتی رہتی ہیں اس کو برداشت کرتے ہوئے یہ سفر جاری ہے اور ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

''رضوان'' کے ہمدردوں، خریدار بہن بھائیوں سے درخواست ہے کہ اپنا زر تعاون دفتر کو ارسال کریں جو ہر رسالہ کے لئے باعث زندگی ہوتا ہے۔

اگر آپ کا مالی تعاون نہ ہوگا تو رسالہ کیسے نکلے گا؟

امۃ اللہ تسنیم

شگون لینے کی ممانعت

فال نیک کا حکم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ متعدی (عربوں کا اعتقاد تھا کہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جاتی ہے اس کو متعدی کہتے ہیں) کوئی چیز ہے نہ شگون۔ ہاں فال مجھے پسند ہے۔ لوگوں نے عرض کیا فال کیا چیز ہے آپ نے فرمایا فال (کسی کام کے وقت کوئی اچھی بات سن کے اس کو اچھا سمجھ لینا جیسے کوئی سفر کے لئے تیار ہوا اور کوئی بے جانے رواروی میں یہ شعر پڑھ لے۔ ''بسفر رفقت مبارک باد..... بہ سلامت روی و باز آئی'') ایک اچھا کلمہ ہے۔ (بخاری، مسلم)

چھوت کوئی چیز نہیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیماری لگ جانے کی کچھ حقیقت نہیں اور شگون بد لینے کی بھی کوئی حقیقت نہیں، اور نحوست اگر کسی چیز میں ہوسکتی ہے تو گھر، عورت اور گھوڑے میں ہوسکتی ہے۔ (گھر کی نحوست تنگی اور ہمسایوں کی خرابی ہے۔ عورت کی بداخلاقی و بے دینی وغیرہ ہے۔ گھوڑے کی نحوست سوار کو بیٹھنے نہ دینا اور شرارت ہے۔ ایک حدیث میں اس طرح کی تشریح بھی آئی ہے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شگون بد کبھی نہ لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شگون کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا سب سے آچھی چیز فار ہے اس سے کامل مسلمان کے ارادہ کو تزلزل (یعنی کامل اور پکے مسلمان فال سے بھی کوئی اثر نہیں لیتے جس کام کا ارادہ کرتے ہیں اللہ کے بھروسہ پر کرتے ہیں) نہیں ہوتا، اور جب تم کوئی ناگوار بات دیکھو تو کہو۔ **اللھم لا یاتی بالحسنات الا انت، ولا یدفع السیئات الا انت، ولا حول ولاقوۃ الا بك.**

ترجمہ: اے اللہ تیرے سوا کوئی بھلائی لانے والا نہیں، اور تیرے سوا کوئی برائی کو دفع کرنے والا نہیں، اور تیرے سوا نہ کسی میں طاقت ہے نہ قوت۔ (ابوداؤد)

معصوم کی سزا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ تصویریں بناتے ہیں ان پر قیامت میں عذاب ہوگا اور اُن سے کہا جائے گا کہ ان تصویروں میں جان ڈالو۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لائے اور میں نے دروازہ پر ایک پردہ ڈال رکھا تھا جس میں تصویریں تھیں جب آپ کی نظر اس پردے پر پڑی تو آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا اے عائشہؓ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب ان کو ہوگا جو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں نقل اُتارنا چاہتے ہیں۔ پس ہم نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ایک یا دو تکیے بنائے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ مصور آگ میں ڈالا جائے گا اور جتنی تصویریں اس نے بنائی ہیں ان سب میں جان ڈال دی جائے گی وہ اس پر عذاب کریں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر تصویریں بنانا

ضروری سمجھو تو بے جان چیزوں کی تصویریں بناؤ، جیسے درخت وغیرہ۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے ہر مصور کو جو دنیا میں تصویریں بناتے ہیں قیامت میں ان کو مجبور کیا جائے گا کہ اس تصویر میں جان ڈالو لیکن وہ ہرگز جان نہ ڈال سکیں گے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ قیامت میں اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ سخت ترین عذاب کے لائق مصور (وہ مصور مراد ہیں جو بت تراش ہیں یہ کافر کے درجہ پر ہیں ان کو کافروں سے زیادہ عذاب ہوگا اس لئے کہ یہ اس گناہ کے موجد ہیں دوسرے مصور فاسق کے درجہ پر ہیں، درخت وغیرہ کی تصویر بنانے والے نقاش ہیں) ہوں گے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو میری طرح پیدا کرنا چاہتا ہے (مصوری کرتا ہے) اگر ان کو پیدا کرنے کا دعویٰ ہے تو ذرا ایک چیونٹی ہی پیدا کر کے دکھادے یا ایک دانہ پیدا کردے، یا ایک جو پیدا کردے۔ (بخاری۔ مسلم)

جس گھر میں کتا یا تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں کتے (وہ کتے مراد ہیں جن کا رکھنا منع ہے جو کھیت اور مویشی کے لئے ہوں وہ مراد نہیں ہیں) اور تصویریں ہوں وہاں فرشتے (رحمت کے فرشتے مراد ہیں وہ فرشتے مراد نہیں جو اعمال لکھتے ہیں یا جو آدمی کی حفاظت کرتے ہیں، کہ یہ کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتے اور جو روح قبض کرتے ہیں وہ ہر وقت آسکتے ہیں) نہیں آتے۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنے کا وعدہ کیا اور وہ نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکلیف ہوئی۔ باہر تشریف لے گئے تو حضرت جبرئیل آپ سے ملے، آپ نے ان سے نہ آنے کی شکایت کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا ہم اس گھر میں نہیں جاتے جہاں کتے اور تصویریں ہوں۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ فلاں وقت آؤں گا لیکن وہ ساعت گزر گئی اور وہ نہ آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک لکڑی تھی آپ نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا اللہ اور اس کا رسول وعدہ خلافی نہیں کرتا، پھر آپ کی نگاہ چارپائی کے نیچے پڑی تو آپ کو کتے کا پلا نظر آیا، آپ نے فرمایا یہ کتاب کب سے یہاں آیا۔ میں نے عرض کیا مجھے کچھ خبر نہیں۔ پھر وہ آپ کے حکم سے نکالا گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ میں تمہارا منتظر رہا اور تم وعدہ پر نہ آئے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا مجھے اس کتے نے روکے رکھا تھا جو آپ کے گھر میں تھا۔ میں اس گھر میں نہیں آتا جس گھر میں کتے اور تصویریں ہوں۔ (مسلم)

اونچی قبر کا حکم

حضرت ابوالہیاج حیان بن حصین سے روایت ہے کہ مجھ سے علیؓ بن ابی طالب نے کہا کہ میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس کام کے لئے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا وہ یہ کہ کوئی مورت دیکھو تو اس کو توڑ ڈالو اور کوئی اونچی قبر دیکھو تو اس کو برابر کردو۔ (بخاری)

نگرانی کے لئے کتا پالنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھیت اور مویشی کی نگرانی کے لئے اور شکار کے لئے کتا پال سکتا ہے اس کے علاوہ اگر کسی نیت سے پالے گا تو ہر روز اس کی دو قیراط (قیراط ایک وزن کا نام ہے) نیکیاں کم ہوتی جائیں گی۔ (بخاری، مسلم)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

غزوۂ اُحد

عبرت و موعظت کے پہلو

ہجرت کے دوسرے سال بدر کے میدان میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان پہلا معرکہ ہوا، اس نے پورے مکہ میں نہ صرف رنج والم کی فضا پیدا کردی، بلکہ انہیں اس شکست فاش پر بہت ہی غضبناک بھی بنادیا، کیونکہ اس جنگ کی آگ میں مکہ کے چوٹی کے سردار خاکستر ہوچکے تھے، ابوسفیان کے تجارتی قافلہ نے..... جو زبردست تجارتی فوائد کے ساتھ شام سے واپس آیا تھا اور مسلمانوں کی گرفت سے بچ نکلا تھا..... اپنا پورا کا پورا نفع قریش مکہ کے باہمی مشورہ سے جنگی تیاری کے لئے وقف کردیا، اس طرح زبردست تیاری کے ساتھ تین ہزار سپاہی مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، ان کے ہمراہ تین ہزار اونٹ، دوسو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش جنگجو تھے، ابوسفیان کو سپہ سالار مقرر کیا گیا، قریش کی پندہ معزز خواتین..... جن کے قریبی رشتہ دار بدر کی لڑائی میں مارے گئے تھے..... بھی فوجیوں کو غیرت دلانے اور ان کے جوش کو دو آتشہ کرنے کے لئے ساتھ نکلیں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہوچکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب منشا انہوں نے اپنے ایمان لانے کو خفیہ رکھا تھا..... نے ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر تیاری کی اطلاع کردی اور بنوغفار کے اس قاصد کو تاکید کردی کہ تین دنوں کے اندر آپ کے پاس خط پہنچ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد قبا میں تشریف فرما تھے، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور تاکید فرمائی کہ ابھی اس بات کو خفیہ رکھا جائے، کیونکہ قریش، یہود اور منافقین کے ساتھ رابطہ میں تھے اور اندیشہ تھا کہ اگر جوابی جنگی حکمت عملی کو راز میں نہیں رکھا گیا تو اس سے نقصان ہوسکتا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن فضالہ اور مونس بن فضالہ رضی اللہ عنہما دونوں کو جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا، یہ عقیق پہنچ کر اہل مکہ کے لشکر میں شامل ہوگئے اور مدینے کے قریب پہنچنے کے بعد لشکر سے الگ ہوکر بارگاہ نبوی میں لشکر کی تفصیلات پیش کردیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید تحقیق کے لئے حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، جنہوں نے اس فوج کی تعداد اور جنگ کی تیاریوں کے بارے میں پوری تفصیل سے مطلع کیا، نیز امکانی خطرات کے تحت سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم کو کاشانۂ نبوت اور مسجد نبوی پر پہرہ دار مقرر کیا گیا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے جنگ کے بارے میں مشورہ کیا، بعض حضرات کا مشورہ تھا کہ مدینے سے باہر نکل کر جنگ کی جائے، اس گروہ میں نوجوانوں کے علاوہ سید الشہداء حضرت حمزہ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ صحابہ بھی تھے، دوسری رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رک کر مقابلہ کیا جائے، منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی اور اس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ تو کیا، لیکن فوری طور پر اپنے فیصلہ کا اعلان نہیں فرمایا، بلکہ جمعہ کے بعد جہاد پر تو غیبی خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے لئے تیاری کا حکم دیا، عصر

کے بعد آپ حجرۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور ہتھیار پہنا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ہتھیار پہننے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار بند باہر تشریف لائے تو بعض صحابہ کو ندامت ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے خلاف اصرار کیا، اس لئے ہمیں معاف کردیں اور جو مناسب سمجھیں قدم اٹھائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی نبی کے لئے یہ بات روا نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر پھر اُتار دے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ کردے، اس لئے اب چلو، جو کہوں اس پر عمل کرو اور ثابت قدم رہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نیزے طلب کئے، تینوں پر کپڑا باندھ کر جھنڈا بنایا گیا، قبیلۂ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو، قبیلۂ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور مرکزی علم قریش میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو عبدالدار سے تھا اور مکہ میں اسی قبیلہ کو علمبردار ہونے کا اعزاز دیا جاتا تھا، آپ نے اس کو قائم رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سر مبارک پر خود پہن رکھی تھی اور جسم پر دو دو زرہیں تھیں، کاندھے پر کمان ڈالی، ہاتھ میں نیزہ لیا، گھوڑے پر سوار ہوئے، دائیں بائیں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی مصاحبت میں آگے بڑھے، یہ دونوں حضرات بھی زرہ پوش تھے اور گھوڑے پر سوار تھے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو جوچ کرنے کا حکم فرمایا۔

مدینہ کی سرحد سے باہر نکلے تو ایک نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج پر ڈالی، ان میں سترہ لڑکے ایسے پائے گئے، جن کی عمر چودہ سال سے کم تھی، انہیں آپ نے واپس کردیا، ان میں سے حضرت رافع بن خدیج کو تیراندازی کی خصوصی صلاحیت کی وجہ سے ساتھ رکھا گیا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ان کے ہم عمر تھے، انہوں نے کہا کہ ہم کشتی میں رافع کو زیر کردیتے ہیں، اس لئے ہمیں بھی اجازت دی جائے، دونوں میں کشتی کرائی گئی اور واقعی حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ غالب رہے، اس لئے انہیں بھی شریک کرلیا گیا، یہاں کچھ انجانے چہرے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئے، تحقیق پر معلوم ہوا کہ یہ یہودی ہیں، جو عبداللہ بن ابی کے ساتھ آئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس فرمادیا، کیونکہ یہ کسی سازش کا حصہ بن سکتے تھے، یہیں رات گذاری گئی، پچاس منتخب مجاہدین نے پہرہ داری کی، محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ ان پہرہ داروں پر نگراں مقرر ہوئے اور جس خیمہ میں شمع نبوت کو آرام کرنا تھا، اس پر ذکوان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پہرہ دار مقرر ہوئے، ابھی رات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مجاہدین کو کوچ کرنے کا حکم دیا گیا، اُحد کے بالکل قریب قطرہ نامی مقام پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور مسلمان بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہوگئے، دشمنان اسلام دور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے، یہیں سے عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ ہوگیا کہ چونکہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کے سلسلے میں میری رائے نہیں مانی گئی، اس لئے ہم ساتھ نہیں رہیں گے اور اللہ نے منافقین کے اس سازشی گروہ سے اس فوج کی حفاظت فرمائی۔

نماز فجر کے بعد مسلمانوں کا لشکر تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے، جنگی حکمت عملی کی رعایت کے ساتھ ٹھکانہ پر قابض ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوجیں اس طرح آراستہ کیں کہ دائیں طرف اُحد کا پہاڑ تھا، بائیں طرف وادی قناۃ کا عمودی کنارہ تھا، جو جبل رماۃ تک پہنچتا تھا، پیچھے کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل رماۃ کو رکھا تھا، یہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی، جسے ''جبل عینین'' یعنی دو چشموں والا پہاڑ کہا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد میں اسی پہاڑی

پر تیراندازوں کا دستہ مقرر فرمایا تھا، اس مناسبت سے بعد میں اس کا نام ''جبل رماۃ'' پڑ گیا، اس طرح تین جہتوں سے مسلمانوں کی فوج محفوظ تھی اور صرف سامنے کی جانب سے ہی قریش حملہ آور ہو سکتے تھے، اس میدان کی چوڑائی چار سو گز سے زیادہ نہیں تھی، اس طرح کم تعداد کے باوجود دشمن کی بڑی تعداد کا مقابلہ آسان تھا، یہیں صفیں آراستہ کی گئیں، چودہ جاں بازوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے رکھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس ماہر تیر اندازوں کو جبل رماۃ پر رکھا تھا، تاکہ وہ اس پہاڑی پر سے دشمن کی فوج پر تیر سے حملہ بھی کر سکیں اور اگر کوئی فوجی ٹکڑی مسلمانوں کی پشت پر حملہ آور ہونا چاہے تو وہ اس کو روک سکیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرتے ہوئے نصیحت کر دی تھی کہ چاہے ہماری لاشوں پر چیل اور پرندے گرنے لگیں، پھر بھی وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کو بانچ دستوں پر تقسیم فرمایا اور ہر ایک پر الگ الگ کمانڈر متعین کیا، نیز ایک محفوظ دستہ بھی رکھا، تاکہ بوقت ضرورت کام آئے، دشمنوں کو صف بندی کا شعور نہیں تھا، لیکن غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی صف بندی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بھی مختلف دستے بنائے، معرکہ عربوں کے اس قدیم طریقہ کے مطابق شروع ہوا کہ کفار مکہ کا ایک فوجی علم اٹھائے ہوئے باہر نکلتا اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دیتا، سب سے پہلے طلحہ بن ابی طلحہ نے مقابلہ کی دعوت دی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تیغ آب دار سے دو ہی ضرب میں اس کے ٹکڑے کر دیئے، بنو عبدالدار کے مختلف نمائندے جھنڈا تھام کر نکلتے، مسلمانوں سے ان کا مقابلہ ہوتا، یہاں تک کہ بائیس دشمنانِ اسلام اس نفرادی مقابلے میں واصل جہنم ہوئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے حضرت عبدالرحمٰن بھی کفار مکہ کے ساتھ تھے، انہوں نے جب للکارا تو خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی شمشیر سونت کر مقابلہ میں آ گئے، یہاں تک کہ اہل مکہ شکست خوردہ فوج کی طرح بکھرنے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں جوش پیدا کرنے کے لئے جنگ کے آغاز ہی پر اپنی تلوار لہراتے ہوئے دریافت کیا: ''کون ہے، جو اسے لے گا اور اس کا حق ادا کرے گا؟'' حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم نیز دوسرے سرو فروشانِ اسلام آگے بڑھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روکے رکھا جب تیسری بار اس جملہ کے ساتھ آپ نے اپنا ہاتھ لہرایا تو مجاہدین کی رگ حمیت، جذبۂ جاں نثاری کے اوج کمال پر پہنچ گئی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس کا کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے دشمن کے منہ پر وار کرو، کوئی کافر اس سے بچنے نہ پائے اور کوئی مسلمان اس سے مارا نہ جائے، حضرت ابودجانہ نے عرض کیا کہ میں اس کا حق ادا کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تلوار عنایت فرمائی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ شمشیر آب دار ہی نہیں تھی، بلکہ تمغۂ افتخار بھی تھی، انہوں نے اپنے سر پر سرخ کپڑے کی پٹی باندھی، پورے ولولے کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور اپنے مقدر پر اکڑ اکڑ کر چلنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کو یہ چال پسند نہیں، مگر میدانِ جہاد میں یہ خوب ہے! حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اس تلوار کی ایسی لاج رکھی کہ دشمن کی صف میں گھس کر آخری صف پار کر کے آگے نکل گئے، یہاں تک کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی تو ایک سہمی ہوئی چیخ آئی کہ میں ایک عورت ہوں، دیکھا تو ابوسفیان کی بیوی ہندہ تھی، حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ روک لیا کہ شمشیر نبوی کے احترام کے خلاف ہے کہ اسے ایک عورت پر چلایا جائے۔

مسلمانوں کے غلبہ کو دیکھ کر جبل رماۃ کے تیرانداز مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے ٹوٹ پڑے، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت روکا، مگر لوگوں نے مانا نہیں، یہاں تک کہ صرف دس افراد ان کے ساتھ رہ گئے، ابوسفیان کے اشارہ پر خالد بن الولید نے اپنے دستہ کے ساتھ پیچھے سے حملہ کیا اور مجاہدین دونوں طرف سے دشمنوں کے درمیان گھر گئے، جنگ کا یہ آخری مرحلہ بڑا صبر آزما ثابت ہوا، بہت سے مجاہدی نے جام شہادت نوش کیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نہ صرف شہید ہوئے، بلکہ ہندہ نے مثلہ بھی کیا، ان کے اعضاء کا ہار بنا کر پہنا اور کلیجہ چبانے کی کوشش کی، مگر نگل نہ سکی، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار یلغار ہوتی رہی، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت طلحہ بن عبداللہ، حضرت ابودجانہ اور حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح اپنے حصار میں لے لیا اور تیروں نیزوں اور تلواروں کے زخم کھائے کہ گویا ان کے بدن گوشت پوست کے نہ ہوں، بلکہ آہن وفولاد کے ہوں اور جاں نثاری کا حق ادا کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے، پیشانی پر ایک شخص نے پتھر مارا، جس سے چہرہ لہولہان ہوگیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ وہ قوم کیونکر فلاح پاسکتی ہے، جو اپنے نبی کو خون سے رنگین کردے، حالانکہ وہ اسے اللہ کی طرف بلا رہا ہے؟ اس موقع پر آیت نازل ہوئی: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ. (آل عمران:۱۲۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے یا عذاب دے کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں..... یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہوگئی، جس نے مجاہدین کو اور بھی مایوس کردیا۔

آخر معرکہ ختم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مدد سے، پہاڑ کی اونچائی پر ایک غار میں پہنچ گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اوپر چڑھنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی یہیں آگئے، زخم دھویا گیا، مگر خون بند نہ ہوتا تھا، آخر خواتین جنت کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی پہنچ گئیں اور چٹائی کو جلا کر اس کی راکھ سے زخموں کو بھرا، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ صاف پانی لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نوش فرمایا، اس طرح معرکہ ختم ہوا، ابوسفیان اپنے کیمپ میں گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان پر نظر رکھیں، اگر ابوسفیان اونٹ پر سوار ہوا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ مکہ واپس ہورہا ہے اور اگر گھوڑے پر سوار ہو تو اس کا رُخ مدینہ کی طرف ہوگا، ایسی صورت میں ہم ضرور اس کا مقابلہ کریں گے۔

یہ جنگ مسلمانوں کے لئے ایک امتحان تھی، صبر کا بھی امتحان اور جاں نثاری کا بھی امتحان اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس امتحان میں پورے اترے، انہوں نے ایسی جاں نثاری کا ثبوت دیا کہ تاریخ میں شاید ہی اس کی کوئی مثال مل سکے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس شان سے نذرانۂ زندگی پیش کیا کہ گویا خدا کی راہ میں مرنے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں، جنگ ختم ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ کوئی سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی خبر لائے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا گیا تو وہ لاشوں کے درمیان آخری سانس لے رہے تھے اور جسم پر نیزے کے بارہ زخم تھے، حضرت سعد رضی اللہ عن نے آخری پیغام انصار کے لئے دیا کہ اگر خدانخواستہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کردیئے گئے اور تم میں کا ایک شخص بھی زندہ رہا تو تم خدا کے یہاں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہوں گے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہلوا بھیجا اور روح پرواز کرگئی، حضرت عمرو بن

جموح انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ہند رضی اللہ عنہا کے شوہر، بھائی، بیٹا، تینوں شہید ہوگئے، شہادت کی ہر خبر پر بے قرار ہوکر پوچھتیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا تو کہنے لگیں: ''اگر آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے''۔ بعض انصاری خواتین سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحب زادہ کی شہادت پر تعزیت کی تو انہوں نے کہا: ''کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تہنیت (مبارکباد) دیجئے، نہ کہ تعزیت۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھی تو دل بے قرار ہوگیا، اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی اور جوش میں فرمایا کہ جیسے انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا ہے، میں اس کے بدلہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا، لیکن اسی وقت سورۂ نحل کی آیت: (وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ) (النحل:۱۲۶) نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات واپس لی اور فرمایا کہ حمزہ سید الشہداء ہیں، چنانچہ سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر نماز جنازہ پڑھی، پھر ہر شہید کا جنازہ ان کے ساتھ رکھا گیا، اس طرح ستر سے زیادہ دفعہ آپ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ..... جن کے ہاتھوں میں مسلمانوں کا جھنڈا تھا..... نے بھی جام شہادت نوش فرمایا، ان کے بعد ان کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا ہوا، اس غزوہ میں ستر سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور سوائے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے، سبھوں کی لاش کا مثلہ کیا گیا، آخر ہفتہ کے دن تین یا سات شوال کو مغرب کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے ساتھ مدینہ واپس آئے، سرفروشان اسلام گو زخم سے چور چور تھے، لیکن پھر بھی انہوں نے جاگ کر پوری رات مدینہ کا پہرہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش مکہ واپس ہوکر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح میں اعلان کیا کہ قریش مکہ کی فوج کا تعاقب کرنا ہے، چنانچہ جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا اور مجاہدین مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے، آٹھ میل تک تعاقب کرتے ہوئے حمراء الاسد میں یہ لشکر خیمہ زن ہوا، مسلمانوں کے اس ولولہ کو دیکھ کر اہل مکہ پر رعب بیٹھ گیا اور وہ واپس ہوگئے۔

قرآن مجید میں اس غزوہ کا تفصیل سے ذکر آیا ہے اور متعدد آیتیں اس بارے میں نازل ہوئی ہیں، اسی لئے غزوۂ احد میں عبرت وموعظمت کی بہت سی جہتیں ہیں:

☆.....صالحین اور نیکوکاروں پر بھی اللہ کی طرف سے آزمائشیں آتی ہیں، قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کا ذکر آیا ہے، جو ابتلاؤں اور آزمائشوں سے گذرے ہیں، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف آزمائشوں سے گذارا گیا ہے، اس لئے مسلمانوں کو دین کی راہ میں آنے والی آزمائشوں سے ہمت نہ ہارنا چاہئے اور صبر واستقامت کا ثبوت دینا چاہئے، مادی فتح وشکست حق اور باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے، بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کو پانا اصل کامیابی اور خوشنودی سے محروم رہنا اصل ناکامی ہے۔

☆.....اسلام کے دفاع کے لئے ظاہری وسائل کو اختیار کرنا اور خوش تدبیری سے کام لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے لئے جو صف آرائی کی اور جس طرح مجاہدین اسلام کے لئے جگہ کا انتخاب کیا، وہ زبردست جنگی حکمت عملی کا نمونہ ہے، یہ حکمت عملی تیغ وشمشیر ہی کی جنگ میں مطلوب نہیں ہے، بلکہ علمی، عملی اور تبلیغی جنگ میں بھی مطلوب ہے۔

☆.....حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل مظہر امتحان کے موقع پر جاں نثاری ہے، زبان سے عشق ومحبت کے

دعوے، بے روح دعوے ہیں، اگر ان پر عمل کی شہادت نہ ہو۔ صحابہ کی شان یہی تھی کہ ان کی زبان پر دعوے نہیں ہوتے تھے، لیکن وہ اپنی رگ گلو کا آخری قطرہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کرنے کو تیار رہتے تھے۔

☆.....مسلمانوں کا تعلق ہر حال میں اللہ سے قائم رہنا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد شروع ہونے سے پہلے بھی فجر کی نماز پڑھی اور جب پہاڑ کی اونچائی پر غار کی پناہ لی تو اس وقت بھی باوجود زخم سے چور ہونے کے نماز ادا فرمائی، یہی جذبۂ خود سپردگی ہے، جو بزم سے رزم تک مسلمانوں کا اصل سرمایہ ہے۔

☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرکزی جھنڈا قریش کی قدیم روایت کے مطابق بنوعبدالدار کے ایک فرد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا، اس میں سبق ہے کہ جو روایت چلی آرہی ہو، اگر اس پر عمل کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو تو اسے باقی رکھا جاسکتا ہے، بلاوجہ ہر روایت کو توڑ دینا معقول بات نہیں ہے۔

☆.....اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ اپنی اخلاقی سطح بلند رکھنی چاہئے، مکہ میں مشرکین قتل کئے گئے، لیکن کسی کا مثلہ نہیں کیا گیا، ہندہ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی زد میں آچکی تھی، لیکن ان پر وار نہیں کیا گیا، جب کہ تقریباً تمام ہی شہداء اُحد کا مشرکین نے مثلہ کیا اور جب فرط جذبات میں زبانِ مبارک سے مثلہ کرنے کی بات نکل گئی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی، گو اس میں برابر کا بدلہ لینے کی اجازت دی گئی، لیکن مسلمانوں نے کبھی بھی جوابی طور پر ایسی ناشائستہ حرکت نہیں کی ہے۔

☆.....داعی کے دل میں ہمیشہ مدعو کی محبت ہونی چاہئے، خواہ وہ ظلم وزیادتی میں کتنا بھی آگے بڑھ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی ان ظالمانہ حرکتوں کے باوجود اہل مکہ کے لئے دعا ہی فرمائی ہے کہ یہ مقام نبوت سے ناآشنا ہیں، انہیں معاف کردیا جائے۔

☆.....داعی کو کبھی بھی مدعو سے نااُمید اور مایوس نہیں ہونا چاہئے، خواہ بہ ظاہر وہ کتنی ہی سخت دلی اور شقاوت قلبی کا ثبوت دے، چنانچہ اس جنگ میں، جو سردارانِ قریش مسلمانوں کے خلاف پیش پیش تھے اور فتح مکہ تک زندہ رہے، ان سب نے اسلام کے سامنے سرتسلیم خم کیا، یہاں تک کہ ابوسفیان، ہندہ اور صفوان بن امیہ نے بھی۔

☆.....اس غزوہ میں نوعمر بچوں کو بہ اصرار واپس بھیجنا پڑا اور بہت سی خواتین وہ تھیں، جو جذبۂ جاں نثاری کے ساتھ ہم رکاب تھیں، یہاں تک کہ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا نے تو باضابطہ جہاد میں حصہ لیا، ظاہر ہے کہ یہ تربیت کا نتیجہ تھا، صحابہ رضی اللہ عنہم خواتین اور بچوں کی ایسی تربیت فرماتے تھے کہ وہ دین کے لئے ہر طرح کی قربانی میں مردوں اور بڑوں کے شانہ بہ شانہ رہتی تھیں، جب تک گھر کے تمام لوگوں میں دینی مزاج پیدا نہ ہو، مثالی اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا۔

☆.....اس غزوہ کا سب سے اہم سبق یہ ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی وناکامی اصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و اطاعت میں مضمر ہے، اس جنگ میں مسلمانوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا، بہ ظاہر اس کا سبب یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جبل رماۃ'' پر جس دستہ کو مقرر فرمایا تھا اور جس سے کہا گیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت میں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں، وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے، اگر یہ صورتِ حال پیش نہیں آئی ہوتی تو شاید مسلمان اس نقصان سے دوچار نہیں ہوتے، اسی لئے قیامت تک مسلمانوں کی کامیابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع میں مضمر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے گریز کرکے یہ اُمت فلاح نہیں پاسکتی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہوتے ہوئے قدسی صفت صحابہ رضی اللہ عنہم کی لغزش کو بھی قابل عفو نہیں سمجھا گیا تو دوسروں کا کیا ذکر؟

○○○

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی

باشعور انسان اور بے شعور انسان

کائنات میں بے شمار مخلوقات ہیں، ان کی الگ الگ خصوصیات ہیں، نباتات، جمادات، اور حیوانات ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ان کے متنوع فوائد کا تذکرہ قرآن کریم میں کیا گیا ہے، ان تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے تابع کردیا ہے: ''وہی اللہ ہے، جس نے تمہارے لئے روئے زمین کی تمام چیزوں کو مسخر کیا ہے۔'' جو لوگ نظام کائنات میں غور و خوض کرتے ہیں اور جنہیں اللہ رب العزت نے بصیرت سے نوازا ہے وہ اس حقیقت کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں، البتہ انہیں اہل بصیرت کے درمیان کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صرف کھانے، پینے، سونے اور جاگنے میں مشغول رہتے ہیں، ان کے اور دیگر حیوانات کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ یہ اپنی زبان سے بولتے ہیں اور ستر کو چھپالیتے ہیں، اس سے زیادہ ان میں کچھ بھی شعور نہیں ہے کہ انسانی صورت دے کر انہیں اس دنیا میں کیوں پیدا کیا گیا؟ پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ ذرہ برابر بھی نہیں سوچتے ہیں، بس اس دنیا میں ایک مخلوق کی حیثیت سے جیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی زیبائش و آرائش کی چیزیں پیدا کی ہیں، انہیں اپنی ملکیت سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھاتا ہے، یہی ان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

اسی قسم میں اگرچہ بعض مثقف، تعلیم یافتہ اور جدید علوم وفنون کے ماہر بھی ہوتے ہیں جو کائنات کے بارے میں بہت کم سوچتے ہیں، اور نہ وہ اس طرف توجہ دیتے ہیں کہ اس کائنات کے خالق ان پر کیا حق ہے، اس کی معرفت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ اس کے لامحدود اور لامتناہی صفات کیا کیا ہیں؟ جن کے کسی ایک حصہ، بلکہ ایک ذرہ کے ادراک سے بھی پوری دنیا کی عقل عاجز ہے، ایسے افراد پر لطف اور حسین خوابوں کی دنیا میں سیر کرتے ہیں، اور ہوائی محل تعمیر کرتے ہیں، عیش و آرام، خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی گزارتے ہیں، پھر اچانک موت کا فرشتہ آکر ان کی روح قبض کرلیتا ہے، اور وہ وہ کف افسوس ملتے ہوئے اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے دنیا کو الوداع کہتے ہیں۔

افسوس صد افسوس! اس بے چارے اور مسکین کی اللہ کی میزان میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کے برخلاف وہ لوگ جن کو وہ حقیر سمجھتے تھے، اور لیکن وہ اللہ کی نشانیوں میں غور وخوض کرنے والے تھے، تو اللہ نے ان کو ''اولوالالباب'' کے خطاب سے نوازا ہے، قرآن مقدس میں ان کی تعریف کی ہے اور ان کی قدر و منزلت کو بیان کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ. الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (آل عمران-۱۹۱)

''بیشک آسمان و زمین کی پیدائش، اور دن و رات کی گردش میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو لوگ کھڑے ہوکر، بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اور آسمان وزمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے ان چیزوں کو یونہی نہیں پیدا کیا ہے، تیری ذات پاک ہے، تو ہمیں جہنم کی آگ سے بچالے۔''

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب یہ

آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر نماز پڑھنے لگے، اتنے میں فرض نماز کا وقت آ گیا، تو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ آپ کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور رو رہے ہیں، تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے، پچھلے سارے گناہ معاف فرمادیئے ہیں، پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے بلال! کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ جب کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے: **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ** پھر آپ نے ارشاد فرمایا: ''تباہی ہے اس شخص کے لئے جو اس آیت کی تلاوت کرے، لیکن کائنات کے بارے میں غور نہ کرے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل علم کی تعریف کی ہے اور ان کی خوبیوں اور صفات کا تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ کائنات کی نشانیوں میں تدبر و تفکر کرتے رہتے ہیں، اس کائنات کے خلاق کی معرفت کا راستہ تلاش کرتے رہتے ہیں، اور پھر اس عظیم، ابدی اور سرمدی طاقت کے سامنے جس نے آسمان و زمین کو پیدا فرمایا ہے اور جس نے انسان اور ہر جاندار کو شرف وجود بخشا ہے، سب اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، اسی کی قدرت کے گن گاتے ہیں، اور نظام الٰہی کے ہر ہر گوشہ، آسمان و زمین کی پیدائش، لیل و نہار کی گردش کا گہرائی سے مطالعہ کرتے ہیں اور اللہ نے اس نظام کو چلانے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اور نوع بنوع کی جو مخلوقات پیدا کی ہیں ان کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور یقیناً یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیوی زندگی کی سعادت اور اخروی زندگی کی فلاح و کامرانی اور موت کے بعد روز محشر میں کامیابی کا تمغہ لے کر جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

غافل انسان جانوروں سے بدتر کیوں؟

ان تمام آسمانی حقیقتوں، واضح ثبوتوں اور ٹھوس ایمانی عقیدوں کے باوجود شروع ہی سے انسانوں کا ایک گروہ اس حقیقت سے صرف نظر کرتا رہا ہے، وہ اس کی گہرائی میں نہیں جانا چاہتا ہے، اور نہ ہی اس کی روشنی میں اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا ہے، بلکہ وہ تو کائنات کے سلسلے میں تدبر کے برخلاف یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں اپنی عقل اور فکر کو استعمال کرنے سے زندگی مکدر ہو جاتی ہے اور دنیا کا جو فطری نظام ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم نے اس جماعت کی تصویر کشی اس انداز میں کی ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ۔

''ان کے اندر ایسے دل ہیں، جن سے وہ سمجھ کا کام نہیں لیتے ہیں، ان کے پاس ایسی آنکھیں ہیں، جن سے وہ دیکھتے ہیں، یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، یہی لوگ دراصل غافل ہیں۔'' (الاعراف:۱۷۹)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں جانوروں سے تشبیہ نہیں دی ہے، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے، اور جانوروں سے بدترین درجہ غفلت کا ہے، گویا کہ "**أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ**"، "**بَلْ هُمْ أَضَلُّ**" کا جواب ہے کہ یہ جانوروں سے بھی بدتر کیوں ہیں؟ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اس لئے کہ یہ لوگ غفلت کے شکار ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: ''چونکہ وہ سیدھے راستہ پر نہیں چلتے ہیں، اس لئے وہ جانوروں کے مشابہ قرار دیئے گئے اور چوپایوں سے بھی بدتر اس لئے قرار دیئے گئے کہ چوپائے تو کم سے کم اپنے نفع و نقصان کی چیزوں میں فرق کر لیتے ہیں اور اپنے آقا کی پیروی کرتے ہیں، جب کہ اس طرح کے لوگ اس صفت سے عاری ہیں اور مشہور تابعی عطای رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانور اور چوپائے اللہ کی معرفت رکھتے ہیں، جب کہ کافر اس

کی معرفت نہیں رکھتا ہے، اس لئے اس کا درجہ جانوروں سے بھی نیچے کردیا گیا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جانور اللہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں، جب کہ کافر نافرمان ہوتا ہے۔

موجودہ انسانی معاشرہ میں انسان: انسانی معاشرہ پر عمومی نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے، ہمارے معاشرہ میں ایسے ہی لوگوں کی اکثریت ہے، اقتدار کے مالک بھی یہی لوگ ہوتے ہیں، اور عام طور پر یہی دوسروں کے معاملات بھی طے کرتے ہیں اور ان کی تقدیر کا فیصلہ کرتے ہیں، ہمارے سامنے اس وقت اس کی سب سے واضح مثال سپر پاور کی ہے، جو حقیقی اور ضروری مسائل سے صرف نظر کرتے ہوئے غیر ضروری امور پر زیادہ توجہ دیتا ہے، اور انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے "**انی جاعل فی الارض خلیفة**" کے ذریعہ انسانوں کو خلافت ارضی کا منصب عطا کیا ہے، اور عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے۔

سب سے بڑا المیہ

اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے کاموں میں جو اخلاص اور خدا کی مرضی ہونی چاہئے تھی اور جو مضبوط ایمان ہونا چاہئے تھا، اس کا فقدان ہو چکا ہے، اس کی روح مردہ ہو چکی ہے، لوگ پرشکوہ مادیت اور چمکتی دنیا پر فریفتہ ہیں، اور انہیں عادت وعبادت کے درمیان ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا ہے، وہ دینی کام اور اپنے "روٹین ورک" **Routine work** کے درمیان کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں، مثال کے طور پر ایک شخص پابندی سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، لیکن وہ نماز میں یہ تصور نہیں کرتا ہے کہ اسے اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ اس بندگی کے ذریعہ اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار کر رہا ہے، جس کے بدلہ اسے نعمتوں سے سرفرازا جائے گا، وہ محض ایک عادت کی بناء پر نماز پڑھ لیتا ہے، اور یہ صورت حال صرف نماز کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ تمام عبادتوں، چاہے فرض وواجب ہوں یا نفل اور سنت وغیرہ کسی کی ادائیگی میں بھی اس کی اصل روح باقی نہیں رہتی ہے، اور نہ اس کا یہ تصور ہوتا ہے کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

کیا ہماری سوسائٹی، ہماری مجلسوں، محفلوں اور گھروں میں یہ سوال نہیں اٹھنا چاہئے کہ ان عبادتوں کی روح کہاں چلی گئی کہ انسانی وجود بے جان کی طرح رہ گیا ہے، یہ سوال اس لائق ہے کہ ہمارے معاشرہ میں اس کو اٹھایا جائے، ہم ایک بے جان، روح سے خالی اور زندہ لاش کی طرح جینے لگے ہیں، کیا ہم پر یہ آیت منطبق نہیں ہوتی ہے کہ "**ولقد ذرأنا لجهنم كثيراً من الجن والانس.**" (ہم نے جہنم کے لئے زیادہ جنوں اور انسانوں کو چھوڑ رکھا ہے) کیا اس سے بڑھ کر کوئی وعید ہو سکتی ہے۔

کامیابی کا راز

نعمت اسلام میں تو اللہ تعالیٰ نے انسان وجنات کی کامیابی وکامرانی کا راز رکھا ہے، پھر ہم اس عظیم انسانی نعمت کو کیسے بھول سکتے ہیں اور اس فطری شرف کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور ایمان سربلندی کو کیوں کر فراموش کر سکتے ہیں؟ اور یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اتنی ساری نعمتوں کے ملنے کے باوجود ہم دعوت الی اللہ اور ذکر خداوندی کو بھلا کر ان لوگوں کی صفت میں شامل ہو جائیں، جو اعلیٰ صلاحیت، دانشمندی، اور عقل وفکر کی وسعت رکھتے ہیں، لیکن ان کا استعمال غیر ضروری چیزوں میں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کے برخلاف زندگی گزارتے ہیں؟ ہمیں تو اللہ نے دوسروں کی تربیت وتزکیہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے بھیجا ہے اور قیامت کے دن ہمیں اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

بلاشبہ معمولی غفلت بھی انسان کو جانوروں اور مویشیوں سے بھی گرا ہوا بنا دیتی ہے، اس کے اندر برائی اور شر وفساد کا مادہ پیدا کر دیتی ہے اور اس کی فطرت میں حق کی دعوت، اور امن وسلامتی کے جذبے کے بجائے ظلم وبربریت، وحشیانہ فعل،

(باقی.....صفحہ.....22.....پر)

سرفراز احمد ملی القاسمی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی ہر مخلوق کے لئے رحمت ہیں

ماہ ربیع الاول اسلامی مہینوں کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اس ماہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اس میں فخر رسل، محسن انسانیت، رحمت للعالمین، محبوب رب العالمین، سرور کونین، سردارالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، عربی زبان میں ربیع موسم بہار کو کہتے ہیں۔

آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل عرب کی ویران وادی میں بہار آئی تھی، بی بی آمنہ کے آنگن میں ایک صدا بہار پھول کھلا تھا، جس کی مہک اور خوشبو سے ساری کائنات معطر ہوگئی، دلوں کے خلوت کدے روشن ہوگئے، تھکی ماندی انسانیت کو شادمانی نصیب ہوئی، نسل آدم کا وقار بلند ہوا، شرف انسانی کو سربلندی ملی، ذروں کو آفتاب کی چمک ملی، یہ آنے والی بہار اور اس میں کھلنے والا پھول، حسن ازل کی تجلی خاص اور جان کائنات، فخر موجودات کی ذات اقدس تھی، جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعائے مستجاب کا ثمرہ تھا، جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان الفاظ کے ذریعے خدا سے مانگا تھا، اے ہمارے پروردگار! آپ لوگوں میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں میں سے ہو اور وہ رسول تیری آیتیں ان کے سامنے تلاوت کرے، ان کو کتاب اور دانائی کی باتیں سکھائے اور ان کو پاک وصاف کرے، بیشک تو بڑا زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔" (قرآن)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں علماء کے تین قول ہیں، بعض نے 8 اور بعض نے 9 اور بعض نے 12 ربیع الاول تاریخ ولادت بیان فرمائی ہے، مگر محقق علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ 12 ربیع الاول، پیر کے دن صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی، اور اس طرح یہ مہینہ بہار جاوداں کہلایا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مہینے میں ایک نہیں بلکہ تین ربیع (بہار) جمع ہوگئے، ایک تو اس ماہ کا نام ربیع، دوسرے موسم ربیع اور بہار کا، تیسرے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالمگیر خزاں میں بہار بن کر تشریف لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ظلمت کدہ عالم میں روشنی پھیلی، خزاں رخصت ہوگئی، بہار کی ہوائیں چلنے لگیں، پھر قرآن نے یہ اعلان فرمایا کہ

ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہاں اور ساری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ (سورہ انبیاء) جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے تو اب یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ رحمت اور مہربانی کا تقاضا کیا ہے؟

علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں، چاہے وہ عالم انسانیت ہو یا عالم جن، عالم ملائکہ ہوں یا عالم حیوانات، یا پھر عالم چرند پرند، ان تمام عالموں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، انسانوں کے لئے رحمت تو اس طرح ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیضان ربانی اور انعامات خداوندی کے لئے واسطہ اور ذریعہ بنے، اپنی اپنی قابلیت اور قبولیت کے تناسب سے پوری عالم انسانیت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مشعل کامل بن کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے سامنے علوم کے خزانے رکھ دیئے، اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی فرمائی، انسان کی پیدائش سے لے کر وفات تک اور وفات کے بعد پھر حیات تک اور حیات ثانیہ سے لے کر حیات جاودانی تک وہ کونسا پہلو

اور کونسا شعبہ ہے جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری پوری رہنمائی نہ کی ہو؟

علامہ ابن قیم کے حوالے سے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر عالم میں نبوت کا سلسلہ نہ ہوتا تو نہ علم نافع کا وجود ہوتا اور نہ عمل صالح کا کوئی تصور ہوتا، نہ معیشت و معاشیات کا کوئی صحیح رخ ملتا اور نہ حکومت چلانے کے کوئی صحیح ضابطے ملتے، بلکہ لوگ جانوروں، درندوں اور پاگل کتوں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹتے رہتے، الغرض عالم کائنات میں جہاں کہیں خیر و بھلائی نظر آتی ہے تو یہ نبوت حقہ کا پرتو اور اثر ہے اور جہاں کہیں عالم میں برائی اور شرارت نظر آتی ہے یا مستقبل میں آئے گی وہ نبوت حقہ کے آثار کے مخفی اور کمزور ہونے کی وجہ سے ہے، گویا کہ عالم ایک جسم ہے اور نبوت حقہ اس کی روح ہے، لہٰذا زمانہ نبوت جتنا دور ہوتا جائے گا عالم میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ (روح المعانی)

بہرحال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات عالم انسانیت کی ہدایت و کامیابی اور دینی و دنیوی ترقی کے لئے رحمت ہی رحمت ہے، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلموں کے لئے بھی رحمت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابقہ غیر مسلم امتوں کے عذاب کی طرح، عام عذاب سے اس امت کے کفار کو محفوظ رکھا کہ آسمان سے آگ ان پر برس پڑے یا پانی ہوا کا ایسا طوفان آجائے کہ روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ رہ جائے، عذاب الٰہی کا ایسا سلسلہ کہ جس سے کفار مجموعی اعتبار سے صفحہ ہستی سے مٹ جائے، موقوف ہوگیا، اسی طرح کفار کو دنیوی لحاظ سے امن کی زندگی بھی ملی اور توبہ کرنے کا ایک وسیع میدان بھی ملا، جو یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اثر ہے۔ سورہ انفال میں ایک جگہ ہے اور جب کفار کہنے لگے کہ اے اللہ! اگر یہی دین تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برساوے یا ہم پر کوئی عذاب لا، اور وہ ہرگز ان پر عذاب نہیں لائے گا جب تک وہ لوگ معافی مانگتے رہیں گے۔ (آیت:32)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ رقمطراز ہیں کہ مشرکین جس قسم کی خارق عادت عذاب طلب کررہے تھے، جو قوم کی قوم کا دفعتاً استیصال کردے، ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں، ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود کہ اس کی برکت سے اس امت پر خواہ امت دعوت ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت مستاصل عذاب نہیں آتا، یوں کسی وقت افراد یا آحاد پر وہ اس کے منافی نہیں، دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں غفرانک غفرانک کہا کرتے تھے۔

(تفسیر عثمانی)

اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق انسانیت کے حقوق کا جو تعین کیا ہے اور انسان کو ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی سے جو روکا ہے اس میں بھی غیر مسلموں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کامل و مکمل رحمت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات عالیہ میں بھی مہربانی، رحمت و شفقت، ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور عدل و انصاف پر بہت زور دیا ہے۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص لوگوں پر مہربانی نہیں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی نہیں کریں گے۔ (حدیث) ایک دوسری حدیث میں ہے تم زمین والوں پر مہربانی کرو تم پر آسمان والا مہربانی کرے گا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے لئے بھی رحمت ہیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ عالم کے لئے میرے رحمت ہونے کا تجھے کیا فائدہ پہنچا ہے؟ یعنی اس رحمت کا تجھ پر کیا اثر ہوا ہے؟ جبریل امین نے جواب میں فرمایا کہ مجھے یہ ضمانت مل گئی ہے کہ میرا خاتمہ بالخیر ہوگا، علماء کے بقول حضرت جبریل امین کا یہ جواب دوسرے فرشتوں کے لئے بھی عام کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قرآن کریم میں تمام فرشتوں کی معصومیت کا تذکرہ فرمایا ہے، ان کی اطاعت و عظمت کے اعلانات فرمائے، جبریل امین کی امانت و دیانت، صاحب

قدر ومنزلت اوران کی شان ورفعت کا اعلان فرمایا اور تمام فرشتوں کو مقربین بارگاہ خداوندی قرار دیا، فرشتوں سے محبت کا حکم دیا اوران سے عداوت کو اپنے ساتھ دشمنی قرار دیا (علمی تقریریں) ایسے ہی آپ جنات کے لئے بھی رحمت ہیں، جنات کے لئے بھی شرعی قواعد وقوانین ہی ہیں جو انسان کے لئے ہیں، لہٰذا جن وجوہات کی وجہ سے آپ انسانوں کے لئے رحمت ہیں انہیں وجوبات کے تحت آپ جنات کے لئے بھی رحمت ہیں، اسی لئے ہڈیوں سے استنجاء کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کیونکہ اس سے جنات غذا کا کام لیتے ہیں، ایسے ہی گوبر سے استنجاء کو ممنوع قرار دیا گیا کیونکہ اس سے بھی جنات فائدہ اٹھاتے ہیں، کسی گھر میں سانپ دکھ جائے تو اس کو فوراً مارنے سے منع کیا گیا، اور یہ حکم دیا گیا کہ پہلے اسے اعلان کر کے چلے جانے کو کہو، اگر وہ سانپ چلا جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ پھر اسے مار دیا جائے، تاکہ سانپ کی صورت میں کوئی جن نہ مارا جائے، اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے کئی تنازعات کے فیصلے کر کے صلح کرائی ہے اور ہدایت و ایمان کا عظیم سامان فراہم کیا ہے جو جنات کے لئے رحمت ہے۔

ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت جانوروں کے لئے بھی رحمت ہے، مختلف احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا، ایک حدیث میں فرمایا ان بے جان جانوروں کے بارے میں خدا کا خوف کرو، جب تک وہ صحیح سالم ہوں ان پر سواری کرو اور پھر صحیح حالت میں ان کو چھوڑ دو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ کسی حیوان کو بیٹھنے کے لئے منبر مت بناؤ۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ ذبح کرتے وقت کسی جانور کے ساتھ زیادتی نہ کرو، چھری کو خوب تیز رکھو، اور جہاں تک ذبح ضروری ہے اسی پر اکتفا کرو اس کے علاوہ اور بھی کئی حدیثیں جانوروں کے تعلق سے موجود ہیں جس میں جانوروں کے ساتھ خیر خواہی کی تعلیم دی ہے، اسی طرح آپ پرندوں کے لئے بھی رحمت بنا کر مبعوث کئے گئے ایک سفر میں، کسی صحابی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ پرندوں کے چند چوزوں کو چادر میں لپیٹ رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کھولنے کا حکم دیا، جب اس کو کھولا گیا تو چوزوں کے ساتھ اس کی ماں بھی بیٹھی ہوئی تھی، اور واپس نہیں جارہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ قصہ سنا تو فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر چوزوں کی ماں سے بھی زیادہ مہربان ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جاؤ اس پرندے کو ان چوزوں کے ساتھ وہیں چھوڑ آؤ جہاں سے پکڑا ہے، اس صحابی نے وہیں لے جا کر سب کو چھوڑ دیا، اسی طرح اور بھی کئی واقعات ہیں جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، اب اس رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس رحمت کے پیغام کو عام کرنے میں حصہ لیں اور اہم کردار ادا کریں، علماء نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، اگر کوئی بدبخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے، آفتاب عالم تاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی، آفتاب کے عموم میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا، اور یہاں تو رحمۃ للعالمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم ہدیہ جو بندوں کو ملا وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنیادی طور پر تین حقوق ہیں جن کا ادا کرنا ہر فرد کے لئے ضروری ہے، ایک عظمت، دوسرے محبت اور تیسرے متابعت، عظمت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا بڑا جانا اور سمجھا جائے کہ کائنات میں کوئی اتنی بڑی ہستی نہیں ہے، جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ دوسری چیز محبت ہے، اگر محبت نہیں ہوگی تو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

(باقی .....صفحہ.....25..... پر)

علامہ سید سلیمان ندویؒ

حج اور قربانی کی حقیقت

حج درحقیقت خدا کے سامنے اس سرزمین میں حاضر ہوکر جہاں اکثر نبیوں، رسولوں اور برگزیدہ بندوں نے حاضر ہوکر اپنی اطاعت و برمانبرداری کا اعتراف کیا، اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا عہد وقرار ہے اور ان مقامات میں کھڑے ہوکر اور چل کر خدا کی بارگاہ میں اپنی سیہ کاریوں سے توبہ کرنا اور اپنے روٹھے ہوئے مولیٰ کو منانا ہے تاکہ وہ ہماری طرف پھر رجوع ہو، کہ وہ اپنے تائب گنہگاروں کی طرف رجوع ہونے کے لئے ہر وقت تیار ہے وہ رحم وکرم لطف و عنایت کا بحر بیکراں ہے۔

یہی سبب ہے کہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج اور عمرہ گناہوں کو اس طرح صاف کردیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل اور کھوٹ کو صاف کردیتی ہے، اور جو مومن اس دن (یعنی عرفہ کے دن) احرام کی حالت میں گزارتا ہے، اس کا سورج جب ڈوبتا ہے تو اس کے گناہوں کو لے کر ڈوبتا ہے۔

صحیح مسلم اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دی کہ عرفہ کے دن سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جس میں خدا اپنے بندوں کو دوزخ کے عذاب سے آزاد کرتا ہو، وہ اس دن اپنے بندوں سے قریب ہوکر جلوہ گر ہوتا ہے اور اپنے ان بندوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتا اور کہتا ہے کہ ''جو انہوں نے مانگا وہ ہم نے قبول کیا'' موطا امام مالکؒ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی کہ بدر کے دن کے سوا عرفہ کے دن سے زیادہ شیطان کسی دن ذلیل، رسوا اور غضبناک نہیں ہوتا، کیونکہ اس دن وہ دیکھتا ہے کہ خدا کی رحمت برس رہی ہے اور گناہ معاف ہورہے ہیں، اسی طرح اور بہت سی حدیثیں ہیں، جن میں مخلصانہ حج ادا کرنے والوں کو رحمت اور مغفرت کی نوید سنائی گئی ہے، یہ تمام حدیثیں درحقیقت اسی دعائے ابراہیمی "وارنا مناسکنا وتب علینا" اور ہمارے حج کے دستور ہم کو سمجھا اور ہماری توبہ قبول فرما'' کی تفسیریں ہیں۔

ان تمام بشارتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حج درحقیقت توبہ اور انابت ہے، اسی لئے احرام باندھنے کے ساتھ "لبیک اللھم لبیک" خداوندا! ''حاضر ہوں میں حاضر ہوں'' کا ترانہ دم بدم اس کی زبان سے بلند ہونے لگتا ہے، طواف میں ''سعی میں'' کوہ صفا پر، کوہ مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں، منیٰ میں ہر جگہ جو دعائیں مانگی جاتی ہیں ان کا بڑا حصہ توبہ اور استغفار کا ہوتا ہے، اور اس بنا پر کہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ" گناہ سے بصدق دل توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس کا گناہ نہیں ہے، اس لئے حج مبرور کرنے والوں کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

گو کہ توبہ سے ہر جگہ گناہ معاف ہوتے ہیں، اس لئے کعبہ اور عرفات کی کچھ تخصیص نہیں لیکن حج کے مشاعر، مقامات اور ارکان اپنے گوناگوں تاثرات کی بنا پر دوسرے فوائد و برکات کے علاوہ جو یہاں کے سوا اور کہیں نہیں، صدق توبہ کے لئے بہتر سے بہتر موقع پیدا کرتے ہیں ان مقامات کا جو تقدس اور عظمت ایک مسلمان کے قلب میں ہے، اس کا نفسیاتی اثر دل پر بڑا گہرا پڑتا ہے، وہ مقامات جہاں انبیاء علیہم السلام پر برکتوں اور رحمتوں کا نزول اور انوار الٰہی کی بارش ہوئی وہ ماحول وفضا وہ تمام گنہگاروں کا ایک جگہ اکٹھا ہوکر دعا وزاری، فریاد و پکار اور آہ و نالہ، وہ قدم قدم پر نبوی مناظر، ربانی مشاہد، جہاں جہاں خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں کے بیسیوں ناز و نیاز کے معاملات گزر چکے ہیں، دعا اور اس کے تاثرات اور

اس کے قبول سے بہترین مواقع ہیں، جہاں حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے اپنے گناہوں کی معافی کی دعا کی، جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اور اپنی اولاد کے لئے دعا مانگی، جہاں حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی ہلاکت کے بعد اپنی پناہ ڈھونڈھی، جہاں دوسرے پیغمبروں نے دعائیں کیں، جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر اپنے اور اپنی امت کے لئے دعائیں مانگیں، وہی مقامات، وہی مشاہد، اور دعاؤں کے وہی ارکان، ہم گنہگاروں کی دعا ہے مغفرت کے لئے کس قدر موزوں ہیں کہ پتھر سے پتھر دل بھی، ان حالات اور ان مشاہد کے درمیان موم بننے کے لئے تیار ہوجاتے ہیں اور انسان اس ابر کرم کے چھینٹوں سے سیراب ہوجاتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً یہاں برگزیدگان الٰہی پر عرش الٰہی سے برستا رہا ہے اور ہنوز آں ابر رحمت دُر فشاں است۔

انسان کی نفسیات (سائیکالوجی) یہ ہے اور وہ روزمرہ کا تجربہ اس کا شاہد ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی بڑے اور اہم تغیر کے لئے ہمیشہ زندگی کے کسی موڑ اور حد فاصل کی تلاش کرتا ہے، جہاں پہنچ کر اس کی گزشتہ اور آئندہ زندگی کے دو ممتاز حصے پیدا ہوجائیں، اس لئے لوگ اپنے تغیر کے لئے جاڑا، گرمی یا برسات کا انتظار کرتے ہیں، بہت سے لوگ شادی کے بعد یا صاحب اولاد ہونے کے بعد یا تعلیم سے فراغت کے بعد یا کسی نوکری کے بعد یا کسی بڑی کامیابی یا کسی سے مرید ہوجانے کے بعد بدل جاتے ہیں یا اپنے کو بدل لینے پر قادر ہوجاتے ہیں، کیونکہ یہ ان کی زندگی کے اہم واقعات اور سوانح ان کی اگلی اور پچھلی زندگی میں فصل اور امتیاز کا خط ڈال دیتے ہیں جہاں سے ادھر یا ادھر مڑ جانا ممکن ہوجاتا ہے، حج درحقیقت اسی طرح انسان کی گزشتہ اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک حد فاصل کا کام دیتا ہے اور اصلاح اور تغیر کی جانب اپنی زندگی کو پھیر دینے کا موقع بہم پہنچاتا ہے، یہاں سے انسان اپنی پچھلی زندگی جیسی بھی ہو اس کو ختم کرکے نئی زندگی شروع کرتا ہے، ان بابرکت مقامات پر حاضر اور وہاں کھڑے ہوکر، جہاں جلیل القدر انبیائے کرام اور خاصان الٰہی کھڑے ہوئے خدا کے گھر کے سامنے قبلہ کے روبرو، جو اس کی نمازوں اور عقیدتوں اور مناجاتوں کی غائبانہ سمت ہے، اپنی پچھلی زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور آئندہ اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ و اقرار وہ اثر پیدا کرتا ہے کہ شر سے خیر کی طرف زندگی کا رخ بدل جاتا ہے اور زندگی کا گزشتہ باب بند ہوکر اس کا دوسرا باب کھل جاتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ اس کے بعد اپنے نئے اعمال کے لئے سرے سے پیدا ہوتا ہے اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: "من حج الله فلم يرفث و لم يفسق رجع كيوم ولدته أمه" "جس نے خدا کے لیے حج کیا اور اس میں ہوس رانی نہ کی اور نہ گناہ کیا تو وہ ایسا ہوکر لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا" یعنی ایک نئی زندگی ایک نئی حیات اور نیا دور شروع کرتا ہے، جس میں دین اور دنیا دونوں کی بھلائیاں جمع اور دونوں کامیابیاں شامل ہوں گی۔

ملت ابراہیم کی اصل بنیاد قربانی تھی، اور یہی قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ اور روحانی زندگی کی اصل خصوصیت تھی، اور اسی امتحان اور آزمائش میں پورے اترنے کے سبب سے وہ اور ان کی اولاد ہر قسم کی نعمتوں اور برکتوں سے مالا مال کی گئی۔

لیکن یہ قربانی کیا تھی؟ یہ محض خون اور گوشت کی قربانی نہ تھی، بلکہ روح اور دل کی قربانی تھی، یہ ماسوا اللہ اور غیر اللہ کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ ماسوا اللہ اور غیر اللہ کی محبت کی قربانی خدا کی راہ میں تھی، یہ اپنے عزیز ترین متاع کو خدا کے سامنے پیش کردینے کی نذر تھی، یہ خدا کی اطاعت، عبودیت اور کامل بندگی کا بے مثال منظر تھا، یہ تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا وہ امتحان تھا جس کو پورا کئے بغیر دنیا کی پیشوائی اور آخرت کی نیکی نہیں مل سکتی، یہ باپ کا اپنے اکلوتے بیٹے کے خون سے زمین کو رنگین کردینا نہ تھا، بلکہ خدا کے سامنے اپنے تمام جذبات اور خواہشوں، تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی تھی، اور خدا کے حکم کے سامنے اپنے ہر قسم کے ارادے اور

مرضی کو معدوم کردینا تھا، اور جانور کی ظاہری قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس اور اس خورشید حقیقت کا ظل مجاز تھا۔

اسلام قربانی ہے

اسلام کے لفظی معنی اپنے کو دوسرے کے سپرد کردینا اور اطاعت اور بندگی کے لئے گردن جھکا دینا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے اس ایثار و قربانی سے ظاہر ہوتی ہے، یہی سبب ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ کو صحیفۂ محمدی میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے فرمایا:

جب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اسلام لائے (یا فرمانبرداری کی یا اپنے خدا کے سپرد کردیا) اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے (اسماعیل) کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا۔

اور کون ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو پسند نہ کرے گا لیکن وہ جو خود بے وقوف بنے، ہم نے اس کو دنیا میں مقبول کیا، اور وہ آخرت میں بھی نیکوں میں سے ہوگا، جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ اسلام لا (یا فرمانبرداری کر یا اپنے کو سپرد کردے) تو اس نے کہا میں نے پروردگار عالم کی فرمانبرداری کی (یا اپنے کو اس کے سپرد کردیا)۔

الغرض ملت ابراہیمی کی حقیقت یہی اسلام ہے کہ انہوں نے اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دیا، اور اس کے آستانہ پر اپنا سر جھکا دیا، یہی اسلام کی حقیقت ہے، اور یہی ابراہیمی ملت ہے اور اسی بار امانت کو اٹھانے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بار بار خدا سے دعا فرماتے تھے کہ ان کی نسل میں اس بوجھ کو اٹھانے والے ہر زمانے میں موجود رہیں اور بالآخران کی نسل میں وہ امین پیدا ہو جو اس کی امانت کو لے کر تمام دنیا پر وقف عام کردے، چنانچہ دعا فرمائی تو یہ فرمائی: "ربنا واجعلنا مسلمين لك و من ذريتنا امة مسلمة لك و ارنا مناسكنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم۔ ربنا وابعث فيهم رسولاً منهم يتلوا عليهم آيتك و يعلمهم الكتاب والحكمة و يزكيهم انك انت العزيز الحكيم۔" "ہمارے پروردگار ہم کو مسلمان یا اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک مسلمان یا اپنی فرمانبردار جماعت بنا، اور ہم کو مناسک (حج کے دستور) بتا، اور ہم کو معاف کردے، بے شک تو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، ہمارے پروردگار! اس میں اپنا ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک اور صاف کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔"

یہ رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے یہ کتاب قرآن پاک تھی، یہ حکمت سینۂ محمدی کا خزانہ علمی و عملی تھا، اور یہ مناسک اسلام کے ارکانِ حج تھے۔

○○○

بقیہ ..... باشعور انسان بنا

قتل و غارت گری، خدا کی ناشکری اور ہر غیر انسانی حرکت کو انجام دینے کی صلاحیت پیدا کردیتی ہے، اے کاش کہ مادہ پرست سیاست دان اور لیڈران ان ناقابل تغیر حقائق کے بارے میں تھوڑی دیر سوچ لیتے اور اس دنیا میں انسان کے حقیقی ہدف کو جان لیتے، اور یہ کہ ان سب کو آخرت کی طرف لوٹ کر حساب دینا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ۔ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ۔ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ۔ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ۔ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ۔ كِرَامًا كَاتِبِينَ۔ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ۔

(سورۃ الانفطار:۱۲)

"اے انسان! تم کو اپنے معزز پروردگار کی طرف سے کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے، جس نے تم کو پیدا کیا، اور تم کو اعضاء و جوارح دیئے اور اعتدال کے ساتھ ساتھ تمہارا نظام بنایا اور کتنی اچھی صورت میں تم کو پیدا کیا، ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہئے، تم قیامت کے دن کو جھٹلاتے ہو، اور تمہارے اوپر نگراں ہیں، جو معزز ہیں اور سارے اعمال کو لکھ رہے ہیں، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو جانتے ہیں۔"

○○○

ڈاکٹر انیس احمد

معاشرتی واخلاقی زوال اور نجات کی راہ

جب معاشی، سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی اشاریے (indicators) یہ پتا دے رہے ہوں کہ قوم پستی کی طرف جارہی ہے تو اس کے اسباب کا پتا لگانا ایک معاشرتی فریضہ بن جاتا ہے۔ یہ لازم ہوجاتا ہے کہ دیکھا جائے کہ اخلاقی امراض، یعنی معیشت میں دھوکا اور فریب، سیاست میں آمریت وکنبہ پروری اور بے ایمانی، معاشرت میں حقوق کی پامالی اور رشتوں کا احترام ختم کردینے اور ثقافت میں رنگ رلیوں اور عریانیت کو ''آرٹ'' اور ''فن'' قرار دے دینے کا بنیادی سبب کیا ہے؟ کیا یہ اُس دور غلامی کا نتیجہ ہے جس سے مسلمان مغربی سامراج کے تسلط کے دور سے گزرے ہیں، یا یہ فلاح اور کامیابی کے معیارات کو گڈمڈ کرنے کا نتیجہ ہے، یا مقصدِ حیات کے شعور کا صحیح ادراک نہ ہونے کی بنا پر ہے؟ کیا یہ خرابی اچانک رونما ہوگئی ہے، یا مسلم ملت گذشتہ دوسو سال میں جن آزمائشوں سے گزری ہے، اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے؟

قرآن کریم نے اقوام عالم کے عروج وزوال کے اہم تاریخی نشانات راہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے متعدد اسباب وعوامل کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے ذریعے غور وفکر کی راہیں روشن فرمائی ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن پاک نے معاشی، سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی عروج وزوال کا اصل سبب اخلاق کو قرار دیا ہے۔ یہ اخلاق انفرادی، خاندانی، معاشرتی اور معاشی و سیاسی سطح پر فیصلہ کن عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغربی فکر میں اخلاق کے لئے عموماً دو اصطلاحات، یعنی Ethics (اخلاقیات) اور Morality (سیرت، کردار) کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اوّلین اصطلاح فکری اور نظری پہلو کو اور ثانی الذکر اصطلاح اخلاق کے عملی پہلو کو ظاہر کرتی ہے۔ اسلامی روایت میں قرآن کریم اخلاق کی جامع اصطلاح میں نظری اور عملی پہلو کو یکجا کرتے ہوئے سیرت پاک کو اخلاق کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ اس جامع اصطلاح میں عقیدے اور عمل کی بنیاد پر اخلاقی رویے کو انسانی تہذیب اور ثقافت کے عروج وزوال کا بنیادی سبب قرار دیتا ہے۔

مغرب کی ترقی کا معیار

ہم جس مادی دور میں زندگی گزار رہے ہیں، اس میں ترقی اور عروج کا پیمانہ: بیرون ملک میں محفوظ سرمایہ، کاروبار میں خواتین کے قائدانہ کردار، مختصر خاندان، ذاتی مکان اور کار اور مغربی تعلیم کے حصول کو قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ملک یا قوم کے ترقی یافتہ، کم ترقی یافتہ، یا عدم ترقی یافتہ ہونے کا فیصلہ ''انسانی ترقی'' کے انہیں خودساختہ معیارات پر کیا جاتا ہے۔

ترقی اور استحکام کو ناپنے کے یہ پیمانے سامراجی اقوام اور سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہیں، جنہیں سرمایہ دارانہ فکر کے علمبرداروں نے اپنے تصور حیات کی روشنی میں ایجاد کیا اور خود کو غالب تہذیب قرار دیتے ہوئے تمام دنیا کے انسانوں کو جاننے کے لئے اٹھی ''مقدس پیمانوں'' کو معیار قرار دیا۔ ان کی بنیاد پر اقوام عالم کی درجہ بندی کرنے کے ساتھ اقوام عالم کو یہ بات باور کروادی کہ وہ انہیں پیمانوں کی روشنی میں ترقی یافتہ یا ترقی پذیر بن سکتی ہیں۔ اسی معیار کے پیش نظر ان ممالک کی تعلیم، معیشت، سیاست، معاشرت اور ثقافت کو قدیم، غیر ترقی یافتہ قرار دے کر انہیں اس دوڑ میں لگادیا گیا کہ وہ خود کو مغرب کے سانچوں میں ڈھال کر اپنے مہذب اور ترقی یافتہ ہونے کے زعم میں مبتلا ہوسکیں۔

مغربی فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے معروف امریکی تجزیہ کار سیموئیل پی ہن ٹنگٹن نے اس حقیقت کا سادہ الفاظ میں یوں اظہار کیا:

To be successful you must be like us, our way is the only way "The argument is that the religious values. moral assumptions and social atructures of these (non-western) societies are at best alien and sometimes hostile to the values and practices of industrialism" (The Clash of Civilizations and the Remaking of Word Order, London, 1997, P-73)

کامیابی کے لئے آپ کو لازماً ہمیں پسند کرنا ہوگا۔ ہمارا راستہ ہی صرف واحد راستہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان (غیر مغربی اقوام) کی مذہبی اقدار، اخلاقی تصورات اور سماجی ڈھانچے، ہمارے سماجی و معاشی اور صنعتی نظام کی اقدار و روایات (انڈسٹریل ازم) کے لئے صرف نامانوس ہی نہیں بلکہ بسا اوقات دشمنی پر مبنی ہیں۔ گویا ترقی کے لئے صنعتی انقلاب کے بعد لادینی اور سرمایہ دارانہ مادیت جس کو یورپ نے اختیار کیا، ان کو اپنائے بغیر کوئی غیر یورپی قوم ترقی نہیں کرسکتی۔

اسلام کا ترقی کا پیمانہ

اس کے مقابلے میں اسلام اخلاق کو ترقی کا پیمانہ قرار دیتے ہوئے یہ اصول پیش کرتا ہے کہ جو اقوام اخلاقی لحاظ سے مستحکم ہوں گی، وہی مادّی ترقی اور خود انحصاری حاصل کرسکیں گی۔ جن اقوام کے اخلاق اچھے ہیں تو ان کو ترقی کی ضمانت دی گئی اور اگر اخلاق بدتر، ناپسندیدہ اور باطل ہیں تو انہیں متوقع تباہی و بربادی سے آگاہ کرنے کے لئے ماضی سے ایسی مثالیں پیش کی گئیں جنہیں کوئی فرد بھی جو دو آنکھیں اور دماغ رکھتا ہو، رد نہیں کرسکتا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جن اصولوں کو اپنایا، ان کے نتیجے میں تجارت، کاشتکاری، صنعتی ترقی، لوہے اور فولاد سے تیار کردہ ہتھیار وغیرہ اور غلے کی پیداوار میں فراوانی اور دولت میں کثرت پیدا ہوئی۔ اگر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ناپ تول میں کمی کی، وعدوں کو پورا نہیں کیا اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے اپنے خاندانی اخلاق کو ایک ایسے عمل سے تباہ کردیا جس کا ارتکاب اس سے پہلے کسی انسان نے نہیں کیا تھا، تو اللہ کا غضب اور عذاب ان پر نازل ہوا۔ ان کے تعمیر کردہ محل، اس زمانے کی ایمپائر سٹیٹ بلڈنگیں اور وائٹ ہاؤس آور آزادی کے علامتی مینار زمین بوس ہوکر خاک میں مل گئے۔ ان کی مادی عظمت ان کے کسی کام نہ آئی اور تباہی کو نہیں روک سکی۔

ترقی اور خوش حالی کے لئے اسلام نے جس چیز کو معیار اور بنیادی پیمانہ قرار دیا، وہ انسان کا اخلاق ہے، جس کے ثمرات کے طور پر ذاتی زندگی میں تزکیہ اور انسانی معاشرے میں تعاون، اخوت، عدل و انصاف اور حقیقی خوش حالی رونما ہوتے ہیں۔ حلال و حرام کے فرق کو سمجھتے ہوئے صرف حلال، روزی کو اختیار کرنا اور خصوصاً خود انحصاری کی پالیسی اختیار کرنا، انفرادی سطح پر اپنے ہاتھ سے روزی پیدا کرنا۔ یہ تصور اسلامی، اسلامی ثقافت میں ایسی روایت بن گیا کہ دور زوال کے کئی حکمران اس پر کاربند نظر آتے ہیں۔ ایسے فرماں روا مثالی اسلامی نظام حکومت سے انحراف کرچکے تھے اور خلافت کے بجائے بادشاہت جیسی حکمرانی کے مرض میں مبتلا تھے، اس کے باوجود اپنے ہاتھ سے قرآن کریم کی کتابت کرکے جو رقم ملتی، اسے اپنی ذات پر خرچ کرتے۔ گو ان کے سیاسی معاملات مکمل طور پر اسلامی اصولوں سے

مطابقت نہیں رکھتے تھے، لیکن پھر بھی ان کی زندگی دوسرے ارباب اقتدار سے بڑی مختلف تھی۔ برعظیم میں اورنگ زیب عالمگیر اور دور عثمانی کے کئی بادشاہ اس کی مثال پیش کرتے ہیں۔

دور حاضر کے معاشی نظام اور معاشی ترقی کا بڑا انحصار سودی لین دین ہے۔ وہ تجارت ہو یا صنعت وحرفت، فرد ہو یا ادارہ اپنے کاروبار کے آغاز کے لئے کسی بینک سے قرض لینے کو ایک بنیادی ضرورت سمجھ کر کام کا آغاز کرتا ہے۔ پھر ساری عمر سود کی مقررشرح ادا کرنے کے لئے بھاری نفع پر اشیاء فروخت کرکے ایک جانب سود کی اقساط ادا کرتا ہے ساتھ ہی صارفین کو اضافی نرخ پر اشیاء فراہم کرکے اپنی ذاتی دولت میں اضافہ کرنا اپنا حق تصور کرتا ہے۔

بظاہر مادہ پرستی پر مبنی نظام پھلتا پھولتا نظر آتا ہے لیکن 2008ء کے عالمی معاشی بھونچال نے یہ بات ثابت کردی کہ سرمایہ دارانہ نظام کھوکھلا ہو چکا ہے اور اشتراکیت کے بعد اب اس کی مکمل تباہی کی باری ہے۔ 2008ء میں دنیا کے 100 سے اُوپر معاشی مراکز میں اس نظام کے خلاف اسی نظام کے پروردہ افراد نے مظاہرے کئے اور عالمی منڈی میں بینکوں، تعمیراتی کمپنیوں اور معاشی اداروں نے اپنے کنگال ہونے کے کاغذات داخل کرکے اس نظام کے ناکام ہونے کے ناقابل تردید ثبوت فراہم کردیئے۔

مادیت اور ذاتی افادیت پر مبنی اس سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ اسلام جو نظام تجویز کرتا ہے وہ اخلاق کے اعلیٰ اصولوں، صدق شعاری، امانت، پاسداری عہد، اشیاء کی معیاری ضمانت (Quality Assurance) اور عدم استحصال کو معاشی پالیسی کے ستون قرار دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی معاشرے میں ترقی کے لئے خاندان کی اخلاقیات کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی ہر دو سطحوں پر یہ نظام خود انحصاری کا علمبردار ہے۔ قرآن کریم انبیائے کرامؑ کے معاشی معاملات میں خود انحصاری اختیار کرنے کی مثالیں دے کر سمجھاتا ہے کہ صحیح رویہ کون سا ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی سازی (Ship Building) کی صنعت کو نقطۂ کمال تک پہنچانا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا فولاد سے زرہ، تلوار، ڈھال اور دیگر آلات کا تیار کرنا خود انحصاری کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔

قرآن کریم ہمیں بار بار یاددہانی کراتا ہے کہ دنیا میں ترقی اور آخرت میں کامیابی کا اگر کوئی درست طریقہ ہے تو وہ صرف قرآنی اخلاق اور اسوۂ حسنہ کی پیروی ہے۔ چنانچہ ماضی کی اقوام نے جب بھی اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے اصولوں کی خلاف ورزی کی، وہ تباہی کے گڑھے میں جا گریں۔

○○○

بقیہ ... صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حق ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں، محبت کا خاصہ یہ ہے کہ فقط محبوب ہی محبوب نہیں ہوتا محبوب کی ادائیں بھی محبوب ہوجاتی ہیں، جس سے محبت ہوتی ہے تو آدمی یہ چاہتا ہے کہ میں صورت بھی ایسی بنالوں جیسی محبوب کی ہے، چال ڈھال بھی ایسی بنالوں جیسی محبوب کی ہے، رہن سہن کا ڈھنگ بھی ایسا بنالوں جو میرے محبوب کا ہے، محبوب سے جب محبت ہوتی ہے تو فقط محبوب سے نہیں ہوتی بلکہ اس کی ہر ادا سے محبت ہوتی ہے، یہاں تک کہ اس کا گھر در بھی محبوب بن جاتا ہے، اور تیسرا حق متابعت ہے، جو قانون آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لاکر دیا ہم اس کی پیروی اور اطاعت کریں، جو سنتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کی اتباع کریں، ایک ایک سنت کی پیروی میں جو نورانیت اور برکت ہے، ہم اپنی عقل سے ہزار قانون بنالیں اس میں وہ خیر وبرکت نہیں آسکتی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کی ادائیگی میں برکت ہوسکتی ہے، ایک ایک سنت کی پابندی کرنا اسی کا نام متابعت ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت عطا فرمائے اور سنتوں کی پابندی کی توفیق دے۔ آمین

○○○

سید جلال الدین عمری

انسانی حقوق کا بین الاقوامی منشور اور اسلامی تعلیمات

ہر سال دنیا بھر میں ۱۰؍دسمبر کو ''یوم حقوق انسانی'' منایا جاتا ہے۔ آج سے تقریباً ۷۱ سال قبل ۱۹۴۸ء میں اسی تاریخ میں اقوام متحدہ کے ممبر ملکوں نے اس مشہور عالم دستاویز کو منظوری دی تھی۔ جو ''منشور حقوق انسانی'' کے نام سے معروف ہے۔ اس منشور میں دفعات کی شکل میں انسانوں کے بنیادی حقوق کی صراحت کی گئی ہے اور ممبر ملکوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اس کی کوشش کریں کہ یہ حقوق یقینی طور پر حاصل ہوں اور ایسے قوانین بنائیں جو ان کے تحفظ کی ضمانت دیتے ہوں اور ان کی پامالی کی صورت میں ان سے رجوع کیا جاسکتا ہو۔

''منشور حقوق انسانی'' نقطۂ عروج ہے اس کشمکش اور جدوجہد کا جو گزشتہ تین صدیوں میں مغربی ممالک میں حکمرانوں اور عوام کی درمیان برپا رہی ہے۔ پہلے حکمرانوں کو آمرانہ اختیارات حاصل تھے اور عوام ان کے رحم وکرم پر زندگی گزارتے تھے۔ آہستہ آہستہ عوام میں سیاسی شعور پیدا ہوا۔ بنیادی انسانی حقوق کے سلسلے میں بیداری آئی۔ انہوں نے ان کے حصول کے لئے تحریکیں برپا کیں۔ اس کے نتیجے میں عوام طاقتور ہوتے گئے اور بالآخر انہیں اقتدار میں شریک کرلیا گیا ور جمہوری ممالک نے اپنے اپنے دستور میں ان حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔ بعد میں مشرقی ممالک نے بھی انہیں تسلیم کرلیا۔ لیکن یہ بنیادی حقوق اہل مغرب کے نزدیک ان کے قومی مفادات کے تابع رہے ہیں۔ جو حقوق وہ اپنی قوم کے لئے تسلیم کرتے ہیں وہ بسا اوقات دوسری قوموں کو دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے۔ جہاں تک مشرقی ممالک کا تعلق ہے خود ان کے شہریوں کو ان حقوق کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے اس کے باوجود ان کا حصول ان کے لئے دشوار ہورہا ہے۔ بیشتر حالات میں وہ ان سے محروم ہی رہتے ہیں۔

انسانی حقوق کے سلسلے میں اسلام کو متعدد پہلوؤں سے امتیاز حاصل ہے۔ جو حقوق آج انسانوں کو طویل جدوجہد اور کشمکش کے بعد حاصل ہیں، اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل بغیر کسی کشمکش کے خود سے ان کا اعلان کیا تھا اور ریاست کو ان کی ادائیگی کا پابند بنایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الامام الذی علی الناس راع و هو مسئول عن رعیته۔ (بخاری ومسلم)

(امام، جو لوگوں پر حکمرانی کررہا ہے وہ ان کا نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا)

قوم کی قیادت جس کے ہاتھ میں ہے اسے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ مطلق العنان اور ہر بندش سے آزاد ہے اور اس سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہے کہ اس نے رعایا کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جمہوریت میں عوام کو احتساب کا حق ہے لیکن ذمہ دار اس سے بچ نکلتے ہیں۔ اسلام روز آخرت کی باز پرس کا تصور دیتا ہے جس سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

اسلام کے عطا کردہ حقوق اس زمین پر بسنے والے ہر فرد کو حاصل ہوں گے۔ یہ کسی سے سلب نہیں کئے جاسکتے اور نہ کبھی منسوخ ہوسکتے ہیں، حتی کہ دشمنوں اور جنگی قیدیوں کو بھی ان سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق کسی نسل سے ہو، وہ کوئی بھی زبان بولتے ہوں اور کسی بھی خطے کے رہنے والے ہوں۔ اس کی

اساس یہ ہے کہ سب کا خدا ایک ہے اور سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ۔ (مسند احمد)

عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر سوائے تقویٰ کے۔

کمزوروں کے حقوق کی حفاظت:

کمزور ہمیشہ بنیادی حقوق سے محروم رکھے گئے ہیں۔ خواہ وہ کمزور حکومتیں ہوں یا کمزور قومیں، سماج کے کمزور طبقات ہوں یا کمزور افراد۔ جن کے ہاتھ میں طاقت رہی ہے انہوں نے اپنی طاقت اور قوت کے زور اور نشہ میں ہمیشہ انہیں اپنے قدموں کے نیچے دبایا اور کچلا ہے۔ اقبال نے اسی کی تصویر کشی کی ہے: ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات۔

اسلام کمزوروں کے حقوق کا محافظ بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ تفصیل سے ان کے حقوق بیان کرتا ہے اور انہیں ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ حقوق اللہ تعالیٰ نے لازم کئے ہیں، اس لئے اگر کسی نے ان کی ادائیگی میں کوتاہی کی یا انہیں پامال کیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر سخت باز پرس ہوگی۔

عورت کے حقوق

سماج کا سب سے کمزور طبقہ صنف نازک عورت ہے۔ وہ ہر دور میں اپنے بہت سے فطری حقوق سے محروم رہی ہے اور آج بھی تمام تر ترقی اور روشن خیالی کے باوجود استحصال کا شکار ہے۔ پہلے عورت کو مرد کا ضمیمہ سمجھا جاتا تھا اور آج نصف بہتر Half Better کہہ کر تسلی دی جاتی ہے۔ اسلام نے اسے بااختیار بنایا۔ لڑکی کی پیدائش کو نحوست خیال کیا جاتا تھا اور اس کی خبر پورے خاندان کو سوگوار کر دیتی تھی اور آج بھی جدید ترین ٹکنالوجی کے ذریعہ اس کی پیدائش روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسلام نے کہا کہ عورت کی اپنی مستقل شخصیت ہے۔ اس نے اسے مردوں کے مساوی حیثیت دی۔ اس نے میراث میں عورتوں کا حصہ متعین کیا۔ اسے معاشی استقلال فراہم کیا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ۔ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا۔

(النساء:۷)

(مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اور یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے)۔

ازدواجی تعلق بڑا ہی نازک اور اہم تعلق ہے۔ یہ نکاح سے قائم ہوتا ہے۔ اس کے لئے اسلام نے عورت کی مرضی اور اجازت کو ضروری قرار دیا۔ **لا تنکح الایم حتی تستامر، ولا تنکح البکر حتی تستاذن۔** (بخاری ومسلم)

شوہر دیدہ (بیوہ یا مطلقہ) عورت کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کی رائے معلوم نہ کر لی جائے اور باکرہ (دوشیزہ) کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔

اس نے مہر کو عورت کا حق قرار دیا اور مرد پر اس کی ادائیگی کو لازم کیا۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً۔

(النساء:۴)

اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو۔

اس نے عورتوں سے حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا: **وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔** (النساء:۱۹)

ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔

اس نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کو مرد کی عظمت اور اخلاقی برتری کی دلیل قرار دیا:

اکمل المومنین ایماناً احسنھم خلقاً وخیارکم خیارکم لنسائھم۔

(ترمذی)

(اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے

ہوں۔تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں)۔

لڑکیوں کو بوجھ سمجھا جاتا رہا ہے اور آج بھی یہی ذہن کارفرما ہے۔اس کی پیدائش کو نحوست تصور کیا جاتا تھا۔اسلام نے لڑکیوں کی پیدائش کو بابرکت قرار دیا اور ان کی پرورش پر جنت کی بشارت دی: **من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة انا و ھو، و ضم اصابعه۔** (مسلم)

(جس شخص نے دو لڑکیوں کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں۔ قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ یہ کہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملایا)۔

یتیموں اور بیواؤں کے حقوق

جس بچے کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ہو اور جس عورت کا سہاگ لٹ گیا ہو۔ سماج میں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا۔ دونوں کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزارتے ہیں۔ بیوہ کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔اس کی زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔اسلام نے یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی خبر گیری اور ان کے حقوق ادا کرنے کی سخت تاکید کی ہے اور اس معاملے میں کوتاہی یا ان کی حق تلفی کرنے والوں کو مجرم قرار دیا ہے۔قرآن یتیموں کا مال ہڑپ کرنے سے منع کرتا ہے۔(النساء:۲، الانعام:۱۵۲، بنی اسرائیل:۳۴) جو اس کا ارتکاب کریں ان کو جہنم کی وعید سناتا ہے۔ (النساء:۱۰) انہیں حقیر سمجھنے اور دھتکارنے اور جھڑکنے سے روکتا ہے۔ (الفجر:۱۷، الضحیٰ:۹، الماعون:۲) یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، انہیں کھلانے پلانے اور ان پر اپنا مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (البقرۃ:۸۳، ۱۷۷، ۲۱۵، النساء:۸، ۳۶، الدہر: ۸، البلد:۱۵) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الساعی علی الارملة والمسکین کالمجاھد فی سبیل الله وکالقائم لا یفر و کالصائم لا یفطر۔
(بخاری و مسلم)

(بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور اس شخص کی طرح ہے جو مسلسل نماز پڑھے اور مسلسل روزے رکھے)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انا و کافل الیتیم فی الجنة ھکذا۔** (بخاری)

(میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ (یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا)

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اللھم انی احرج حق الضعیفین الیتیم والمرأة۔**
(ابن ماجہ، احمد، نسائی، حاکم)

(اے اللہ جو شخص ان دو کمزوروں، یتیم اور عورت کا حق ضائع کرے میں اسے خطا کار اور مجرم ٹھہراتا ہوں)

غلاموں اور محکوموں کے حقوق

:عرب کے معاشرے میں غلام تمام انسانی حقوق سے محروم تھے۔ان سے جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ وہ بے زبان مخلوق کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ سماج میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔ یہی حیثیت آج ہمارے سماج میں بندھوا مزدوروں کی ہے۔اسلام نے غلاموں کو انسانی تعلق سے بھائی قرار دیا اور مالکوں کو حکم دیا کہ ان کا پورا خیال رکھیں اور ان کی طاقت سے بڑھ کر کام نہ لیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اخوانکم خولکم جعلھم الله تحت ایدیکم، فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل و لیلبسه مما یلبس، ولا تکلفوھم ما یغلبھم، فان کلفتموھم ما یغلبھم فاعینوھم۔ (بخاری)

(تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو، وہ اسے بھی وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو خود پہنے، تم ان سے ایسے کام نہ لو جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ اگر ان سے ایسے کام لو تو ان کی مدد کرو)

مزدوروں کے حقوق

مزدور پیشہ افراد ہر سماج میں کمزور اور بے بسی کی زندگی گزارتے رہے ہیں۔ دو وقت کی روزی حاصل کرنے اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے انہیں سخت جدوجہد کرنی پڑتی رہی ہے۔ ایک دن کی مزدوری نہ ملے تو ان کے گھر فاقہ کی نوبت آجاتی ہے۔ عموماً مالدار اور صاحب حیثیت طبقہ کو ان کے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ ان سے بے گار لیتے ہیں۔ پوری مزدوری نہیں دیتے یا اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں سخت تنبیہ فرمائی۔ آپ کا ارشاد ہے:

ثلاثة انا خصمهم يوم القيامة و رجل استاجر اجيرا فستوفى منه و لم يعطه اجره۔ (بخاری)

(تین آدمی ایسے ہیں جن کا میں قیامت میں حریف اور مدمقابل ہوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا، اس سے پورا کام لیا لیکن اس کی مزدوری نہیں دی)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اعطوا الاجير اجر مقبل ان يجف عرقه۔** (ابن ماجہ)

(مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی مزدوری دے دو)

اقلیتوں کے حقوق: سماج کے کمزور طبقات میں اقلیتوں کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ اقلیتیں عموماً اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی گزارتی ہیں۔ انہیں دستوری طور پر مساوی حقوق حاصل ہوں تو بھی عملاً وہ اکثریت کے ظلم و تعدی کا شکار رہتی ہیں۔ آئے دن ان کی جان، مال اور عزت و آبرو پر حملے ہوتے ہیں اور وہ اپنا دفاع نہیں کر پاتیں۔ اگر اکثریت کو انتظامیہ کی بھی پشت پناہی حاصل ہو تو اقلیتوں کی دشواریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔ عدالتوں سے انصاف کا حصول آسان نہیں ہوتا۔ اسلام اپنی ریاست میں رہنے والی اقلیتوں کے حقوق کا محافظ بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو سخت تنبیہ کرتا ہے کہ دوسرے مذاہب کو ماننے والوں پر دست درازی سے احراز کریں، ان پر کسی طرح کی زیادتی سے بچیں۔ ان کی عزت و آبرو سے نہ کھیلیں اور ان کا مال غصب نہ کریں، ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آئیں۔ ورنہ قیامت میں وہ سخت سزا سے دوچار ہوں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا من ظلم معاهدا او نتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفس فانا حجيجه يوم القيامة۔ (ابوداؤد)

(خبردار جس نے معاہد (غیر مسلم جو معاہدہ کے تحت اسلامی ریاست میں رہ رہا ہو) پر ظلم کیا اس کی توہین کی، اس کی طاقت سے بڑھ کر اس سے کام لیا، یا بغیر اس کی مرضی کے اس کی کوئی چیز لے لی تو قیامت کے روز میں اس مظلوم کی طرف سے اس کا مقدمہ پیش کروں گا)۔

ماحول ظلم کے خلاف ہو

اسلام ایسا ماحول قائم کرنا چاہتا ہے کہ اگر سماج میں کوئی شخص کسی پر ظلم کر رہا ہو تو دوسرے لوگ اٹھ کھڑے ہوں۔ وہ ظالم کا ہاتھ پکڑ لیں اور اسے ظلم سے روک دیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يا عبادى انى حرمت الظلم على نفسى و جعلته بينكم محرما فلا تظالموا۔ (مسلم)

(اے میرے بندو، میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام کردیا ہے۔ اس لئے آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو)

ایک موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس معاملے میں غفلت نہ برتنے کی تلقین کرتے ہوئے انہیں متنبہ کیا:

ان الناس اذا رأو الظالم فلم ياخذوا على يده او شك ان يعمهم الله بعقاب۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(لوگ اگر کسی کو ظلم کرتا ہوا دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو اندیشہ ہے کہ اللہ سب کو سزا دے)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ کو اس ارشاد نبوی پر حیرت ہوئی۔

(باقی.....صفحہ.....35.....)

مفتی منیب الرحمٰن

زبان و بیان میں شرعی بے اعتدالیاں

اللہ تعالیٰ کی ذات بہکنے، بھٹکنے، غلطی کرنے اور بھول چوک سے پاک ہے، لیکن بعض لوگوں کی زبان پر کفریہ جملے آجاتے ہیں، مثلاً: (الف): ''میری قسمت میں شاید اللہ کچھ لکھنا ہی بھول گیا ہے۔'' (ب) ''نہ جانے میرا بلاوا کب آئے گا، شاید بنانے والا بھول گیا ہے۔'' قرآن کریم میں ہے: ''اُن کا علم میرے رب کے پاس لوحِ محفوظ میں درج ہے، وہ نہ تو بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔'' (طٰہٰ:۵۲) برصغیر میں کفریہ کلمات پر مشتمل گانے چلتے رہے ہیں:

آج میری تقدیر کا مالک سوتا ہے
قسمت کا دستور نرالا ہوتا ہے

تقدیر کا مالک اللہ ہے، اس کی شان یہ ہے: ''نہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔'' (البقرۃ:۲۵۵) اس کا علم حضوری ہے اور ہر قسم کی غفلت اور سہو سے پاک ہے، اس کی جانب سونے، بھولنے یا غفلت کی نسبت کرنا قرآن کا انکار ہے، اس سے توبہ لازم ہے۔ اسی طرح کفریہ معانی کے حامل کئی اور جملے لوگ سوچے سمجھے بغیر بول دیتے ہیں، مثلاً ''اے یہ تو اتنا چالاک ہے کہ خدا کو بھی دھوکا دے دے۔'' کسی کا یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیا جاسکتا ہے، خود فریبی ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کے بارے میں فرمایا: ''وہ (اپنی دانست میں) اللہ اور مومنوں کو دھوکا دیتے ہیں (لیکن درحقیقت) وہ اپنے آپ ہی کو دھوکا دیتے ہیں، اور انہیں اس بات کا شعور نہیں ہے۔ (البقرۃ:۹) دھوکا تو اُسے دیا جاسکتا ہے جس سے حقیقت کو چھپانا ممکن ہو، جب کہ اللہ کی شان یہ ہے: ''اور اگر آپ بلند آواز سے بولیں تو بے شک وہ آہستہ اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے۔ (طٰہٰ:۷)، (۲) ''اللہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور (اس کو بھی) جو سینوں میں چھپا ہے۔ (المومن:۹۱) پس کس کی مجال کہ اُسے دھوکا دے۔

بعض لوگ بھولے بھالے اور سیدھے سادے آدمی کے لئے ''اللہ میاں کی گائے'' کا محاورہ استعمال کرتے ہیں، نیز روزمرہ زبان میں بھی لوگ ''اللہ میاں'' بولتے ہیں، یہ کلمہ اللہ کے شایانِ شان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''(اے رسول!) آپ کہہ دیجئے! تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس نام سے بھی پکارو گے اس کے سب ہی نام اچھے ہیں۔ (بنی اسرائیل: ۱۱۰) اللہ تعالیٰ کی ذات کو تعبیر کرنے کے لئے اسم ذات ''اللہ'' ہے: قرآن کریم میں اس کے صفاتی نام بھی مذکورہ ہیں، مثلاً ''الملک، القدوس، السلام، المومن، المھیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الستار، الغفار، الرؤف، الرحیم، الکریم، سبحان۔'' اور دیگر اسمائے مقدسہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تعبیر کرنے کے لئے جو بھی اسماء و صفات اور کلمات استعمال کئے جائیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں۔

''میاں'' اور ''سائیں'' ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کی ذات کے شایانِ شان نہیں ہیں، خواہ ان کو استعمال کرنے والے کی نیت اچھی ہی ہو، لیکن ان کے معانی میں اہانت کا پہلو موجود ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کے ساتھ ان کلمات کا استعمال درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ، اللہ جل شانہٗ، اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ یا باری تعالیٰ کے کلمات استعمال کرنے چاہئیں، ذیل میں ہم کتب لغت کے حوالے سے لفظ ''میاں'' اور ''سائیں'' کے معانی درج کررہے ہیں:

میاں: اردو زبان میں شوہر، خواجہ سرا، ایک کلمہ جس سے برابر والے یا اپنے سے کم درجہ شخص کو خطاب کرتے ہیں، بیٹا وغیرہ معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

سائیں: خاوند، فقیر، بھکاری و دیگر معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(قائد اللغات، فیروز اللغات)

آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ معانی اللہ کے شایان شان نہیں ہیں، ان میں سے بعض معانی ایسے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے لئے نقص اور اہانت کا پہلو رکھتے ہیں لہٰذا ہماری رائے میں ''اللہ میاں'' اور ''اللہ سائیں'' ایسے کلمات بولنے سے احتراز کرنا چاہئے اور اپنے گھروں، دفاتر، مجالس اور بچوں کے ساتھ گفتگو میں اللہ کا نام لیتے وقت اسی احتیاط پر عمل کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی شان جلالت بلند ترین ہے، وہ ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے، فرمایا:

(۱) ''آپ کا رب جو بڑی عزت والا ہے، ہر اس عیب سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ (الصافات:۱۸۰)

(۲) ''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو اسے ان (ہی) ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں راہِ حق سے انحراف کرتے ہیں۔ (الاعراف:۱۸۰)

اللہ جھوٹ نہ بلوائے: بعض لوگ اپنی صداقت کا یقین دلانے کے لئے یہ کلمہ بولتے ہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے اہانت کا پہلو نکلتا ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ! اللہ جھوٹ بھی بلواتا ہے، اللہ ہرگز جھوٹ نہیں بلواتا، بندہ خود جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (۱) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ (التوبہ:۱۱۹) (۲) ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔ (الاحزاب:۷۰) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف جو ''اضلال'' (گمراہ کرنے) کی نسبت ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کی ضرورت ہے، فرمایا (۱) ''اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔'' (الاعراف:۱۸۶) (۲) ''اور انہوں نے جو گناہ کئے تھے، ان کی سزا ان کے سامنے آجائے گی اور وہ عذاب ان کا احاطہ کرلے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔'' (الزمر:۴۸) کسی بھی فعل کا کا سب فاعل بندہ خود ہوتا ہے، جب وہ کسی کام کے کرنے کا عزم کرلیتا ہے اور ارادہ عمل میں ڈھلتا ہے تو تخلیق اللہ تعالیٰ کا کام ہے، قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم یہی ہے: ''اور اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ہے۔'' (الصافات:۹۶)

قرآن کریم نے ذات باری تعالیٰ کے لئے آداب تعلیم فرمائے ہیں کہ ہر نقص، ہر عیب اور ہر کمزوری کی نسبت بندہ اپنی طرف اور ہر کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے، چنانچہ فرمایا: (۱) ''اور تم کو جو اچھائی پہنچتی ہے، سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری اپنی ذات کی وجہ سے ہے۔ (النساء:۷۹) (۲) ''اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے کرتوتوں کے سبب ہے اور بہت سی باتوں کو تو وہ معاف فرمادیتا ہے۔ (الشوریٰ:۳۰) قتل ناحق جرم ہے، عیب ہے، لیکن قصاص میں قاتل کو قتل کرنا عدل ہے اور معاشرے کے لئے عقلمند لوگو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔ (البقرۃ:۱۷۹)

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''علم لدنی'' یا ''علم الاسرار'' سکھانے کے لئے اس شرط کے ساتھ سفر میں اپنے ساتھ لیا کہ جو کچھ میں کروں گا، آپ اس پر سوال نہیں اٹھائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اس دوران تین ایسے کام کئے جو ظاہری اعتبار سے شریعت کی نظر میں قابل گرفت تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کرسکے اور سوال اٹھالیا۔ آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے ان کاموں کی حکمت بیان کرنے کے بعد کہا: ''اور میں نے یہ سب کچھ اپنی مرضی سے نہیں کیا، یہ ان کاموں کا راز ہے جن پر آپ صبر نہیں کرسکے۔ (الکہف:۸۲) یعنی یہ کام میں نے اللہ کے حکم سے کئے تھے اور ان کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ تھی اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوال کرنے سے منع اس لئے کیا تھا کہ نبی احکام شریعت کا مکلف ہوتا ہے اور شریعت کے ضابطے کے مطابق جو چیز قابل گرفت ہو، اس پر نبی کے لئے سوال کرنا اس کا منصبی فرض اور فطری امر ہے۔ لیکن چونکہ یہ تینوں کام بظاہر شریعت کی نظر میں قابل گرفت تھے، اس لئے خضر علیہ السلام نے ان کی نسبت اپنی طرف کی۔ پس اللہ کی رضا اس میں نہیں کہ کوئی

جھوٹ بولے، وہ تو جھوٹوں پر لعنت فرماتا ہے، لہٰذا ''اللہ جھوٹ نہ بلوائے'' کہنا شانِ الوہیت میں بے ادبی ہے، لوگ سوچے سمجھے بغیر اس طرح کے کلمات بول دیتے ہیں، انہیں اس سے اجتناب کرنا چاہئے، بارگاہ الوہیت کے ادب کا تقاضا یہی ہے۔

کلمۂ اہانت میں نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، شریعت کا حکم ظاہر پر لگتا ہے اور لوگ بھی زبان پر جاری ہونے والے الفاظ سے مثبت یا منفی تاثر لیتے ہیں، نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ قرآن کریم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی ذو معنی کلمہ استعمال کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہر عیب سے مبرا نہیں ہے، آج کل لوگ اپنے سیاسی قائدین کے بارے میں اندھی عقیدت میں مبتلا ہو چکے ہیں، کوئی اصلاح کی نیت سے گرفت کرے یا مشورہ دے تو وہ بھی انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ مسلمان کو جان لینا چاہئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم سے وفا کا رشتہ کام آئے گا، یہ قائدین کسی کو بچانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گے۔ یہ آپ کے سیاسی رہنما ہیں، دینی پیشوا نہیں ہیں، سیاسی امور میں آپ کو ان سے محبت کرنے اور ان کی جائز باتوں کی حمایت کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن دینی اعتبار سے قابل گرفت باتوں کی حمایت کرنا اپنی عاقبت کو برباد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ایسی اندھی عقیدت سے سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔ ○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۴۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ صرف تیس روپے اور سالانہ خریداری -/300 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے بیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم ''ادارہ رضوان'' کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور منی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہٰذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ''رضوان'' خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرما دیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کاوش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ''رضوان'' کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گذارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBMCBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتہ میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

مفتی شکیل منصور القاسمی

حوصلہ افزائی، تملق و مدح سرائی

شرعی حدود و احکام

انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے خوبیاں بھی رکھی ہیں اور خامیاں بھی۔ **فألهمها فجورها و تقواها.**

عام انسان، بشری جبلت کے بموجب غلطیاں بھی کرتا ہے، اس سے گناہ اور قابل ذم امور بھی صادر ہوتے ہیں اور اسی سے خیر، صلاح وفلاح اور قابل مدح وستائش کام بھی انجام پاتے ہیں۔

انسانوں کی نیت، قلبی کیفیت، باطنی احوال اور ایمانی اوصاف یہ اطلاع وآگہی ذات باری کے سوا کسی بھی انسان کو ہرگز نہیں ہے، ظاہری حرکات وسکنات، باطنی کیفیات کو جانچنے اور پرکھنے کی علامات محض ہیں، حقیقی معیار وتھرمامیٹر ہرگز نہیں! انسان طبعی طور پر اپنی تعریف وتوصیف سن کر خوش ہوتا ہے، اور نقد وذم سے شکستہ ورنجور۔

اگر یہ معلوم ہو کہ سامنے والا شخص اپنی مدح سرائی سے خود پسندی اور عجب نفس میں مبتلا ہو کر کوتاہی عمل کا شکار نہ ہو جائے تو اس اطمینان کے وقت اچھا کام کرنے پر صدق نیت سے سادہ لفظوں میں ایسے شخص کی اچھائیاں اور خوبیوں کی تعریف کرنا، تحریک عمل اور نشاط پیدا کرنے کے لئے اس کی ہمت افزائی کرنا اور اس کے حق میں مبالغہ آرائی، کذب ورياء سے پاک توصیفی کلمات کہنا، نہ صرف جائز، بلکہ سنت رسول سے ثابت ہے اور مستحسن عمل ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعدد صحابہ کرام کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

نعم الرجل ابوبكر نعم الرجل عمر نعم الرجل ابو عبيدة بن الجراح نعم الرجل اسيد بن حضير نعم الرجل ثابت بن قيس بن شماس نعم الرجل معاذ بن جبل نعم الرجل معاذ بن عمرو بن الجموح. (سنن الترمذی، ۳۸۱۰ و ۳۷۱۷ باب مناقب معاذ بن جبل)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف بھی آپ نے اس طرح بیان فرمائی: **نعم الرجل عبدالله لو كان يصلي من الليل. قال سالم فكان عندالله بعد ذالك لا ينام من الليل الا قليلا.** (صحیح البخاری، ۱۰۸۳ کتاب الجمعہ، ومسلم، ۵۶۳۳ کتاب فضائل الصحابہ، باب من فضائل عبداللہ بن عمر)

چونکہ کسی انسان کو دوسرے انسان کے باطنی اور قلبی احوال وکیفیات کا حقیقی علم و ادارک یقینی طور پر معلوم ہے نہیں، اس بابت وہ جو کچھ بھی کہے گا ظن وتخمین پر ہی مبنی ہوگا، اس لئے اس مسئلے میں بھی شریعت نے اپنے پیروکاروں کو شتر بے مہار کی طرح، مادر پدر آزاد نہیں چھوڑ دیا، بلکہ ہدایت یہ فرمائی ہے کہ تعریف کرتے وقت یہ نہ کہے کہ فلاں یقیناً ایسے ہیں ویسے ہیں، بلکہ یوں کہے کہ میرا خیال ہے کہ بلاں ایسا ہے یا آپ ایسے ہیں۔

عن عبدالرحمٰن ابن ابی بکرۃ، عن ابیہ، قال: **اثنى رجل على رجل عند النبى صلى الله عليه وسلم، فقال: ويلك قطعت عنق صاحبك، قطعت عنق صاحبك، مرارا، ثم قال من كان كمن مادحا أخاه لا محالة فليقل أحسب فلانا، والله حسيبه، و لا أزكى على الله احدا أحسبه كذا و كذا، ان كان يعلم ذالك منه.** (صحیح البخاری/ الشہادات

۲۶۶۲)، الادب-۹۵ (۶۱۶۲)، صحیح مسلم/ الزہد-۱۴ (۳۰۰۰)، سنن ابی داؤد/ الادب ۱۰ (۴۸۰۶)، (تحفۃ الاشراف: ۱۱۶۷۸)، وقد أخرجہ: مسند احمد (۵/ ۴۱، ۴۶، ۴۷)۔

(جناب ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا: افسوس! تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی، اس جملہ کو آپ نے کئی بار دہرایا، پھر فرمایا: تم میں سے اگر کوئی آدمی اپنے بھائی کی تعریف کرنا چاہے تو یہ کہے کہ میں ایسا سمجھتا ہوں، لیکن میں اللہ تعالیٰ کے اوپر کسی کو پاک نہیں کہہ سکتا یعنی میں یہ نہیں جانتا کہ حقیقت میں اللہ کے نزدیک یہ کیسا ہے؟ میرے نزدیک تو اچھا ہے)۔

ممدوح کی حقیقی حوصلہ افزائی، سادہ لہجے، معتدل ومتوازن اسلوب، پیار بھرے انداز میں کرنا (بشرطیکہ اسے عجب وغرور میں مبتلا ہوجانے کا گمان غالب نہ ہو) تو جائز، بلکہ باعث اجر وثواب ہے، کیونکہ اس سے مایوس وہمت شکستہ افراد کو حوصلہ ملتا، ڈھارس بندھتی اور تحریک وتقویت عمل پیدا کرتی ہے، لیکن کسی کی خوشامد، مدح خوانی، قصیدہ گوئی، جسے حدیث رسول میں ملق تمادح کہا گیا ہے، ہم لوگ اپنی زبان میں اسے تملق و چاپلوسی کہتے ہیں، یعنی کسی شخص کی تعریف و توصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملادینا اور اسے ایسے اوصاف سے متصف کرنا جن کا ممدوح میں نام ونشان تک نہ ہو، صریح جھوٹ، ریاء ومنافقت ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

ایسے مواقع پہ تعریف وتوصیف میں انگل پچو کے تیر چلائے جاتے، ذاتی مفادات ومراعات کے حصول کے لئے محبت کے لمبے چوڑے دعوے کئے جاتے ہیں جب کہ دل محبت سے خالی ہوتا ہے، یوں اس میں نفاق اور ریاکاری دونوں پائے جاتے ہیں، ممدوح بھی اپنی تعریف سن کر پھول جاتا، خود کو قابل مدح سمجھنے لگتا اور اعمال خیر میں کوتاہی کا بری طرح شکار ہوجاتا، اس لئے تملق و چاپلوسی و خوشامد کی حرمت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

حوصلہ افزائی میں حقیقی مقصد، حق گوئی اور پیار بھرا اسلوب ہوتا ہے، ممدوح میں اس سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے، اس لئے یہ جائز ہی نہیں، مستحسن بھی ہے۔ جب کہ بے جا مدح سرائی اور خوشامد میں کذب بیانی، ریاکاری، نفاق، خود غرضی، اور بہروپیاپن ہوتا ہے، اس سے ممدوح میں عیب وکبر پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے یہ ناجائز اور حرام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شنیع حرکت سے سختی سے منع کرتے ہوئے اسے ممدوح کے لئے ذبح قرار دیا ہے، **ایاکم والتمادح فانہ الذبح** (ابن ماجہ: ۳۷۴۳) خوشامد سے بالکل بچو، کیونکہ ذبح کردینے کے برابر ہے)

وایاکم والتمادح فانه الذبح و روی ابن ماجه منه: ایاکم والتمادح فانه الذبح (اخرجه البخاری (۳۱۱۶)، و مسلم (۱۰۳۷) اوله فی اثناء حدیث، وابن ماده (۳۷۴۳، ۲۲۱) مفرقاً و احمد (۱۶۸۴۶)

یہ اتنا گھٹیا اور گھناؤنا عمل ہے جو کسی مسلم سے صادر ہی نہیں ہوسکتا، **لیس من أخلاق المؤمن التملق، ولا الحسد، الا فی طلب العلم (عن معاذ بن جبل، السیوطی، الجامع الصغیر، الرقم: ۷۶۲۲ والحدیث ضعیف)**

خلاف واقعہ مبالغہ آمیز مدح سرائی، منبع اوصاف وکمالات، وجہ تخلیق کون ومکان، محبوب باری، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے بھی منع فرمادی ہے، پھر عام انسانوں کے لئے یہ کیسے گوارا کی جاسکتی ہے؟ ارشاد نبوی ہے: **عن ابن عباس سمع عمر رضی الله عنه، یقول: علی المنبر سمعت النبی صلی الله علیه وسلم، یقول: لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم فانما انا عنده، فقولوا: عندالله و رسوله.**

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤ جیسے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو نصاریٰ نے ان کے رتبے سے زیادہ بڑھادیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، اس لئے یہی کہا کرو (میرے متعلق) کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا

رسول ہوں۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۵)

اس حدیث میں غیر واقعی چیزوں پہ تعریف کرتے ہوئے مبالغہ آرائی اور حضور کی جانب ایسی چیزیں منسوب کرنے سے منع کیا گیا ہے جو حضور میں موجود نہیں جیسے حضور کے لئے ہر جگہ حاضر و ناظر یا اختیار کلی جیسی چیزیں منسوب کر دینا، کیونکہ یہ چیزیں صرف اللہ کی خصوصیات ہیں۔ حضور باوجود جملہ خصوصیات کے لوگوں کے ان دعاوی محضہ سے متصف نہیں، جیسے عیسیٰ ابن مریم جملہ معجزات کے علی الرغم الہیت خداوندی سے متصف نہیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں خود اپنے لئے بیجا مدح سرائی اور تعریف و توصیف میں حدود سے تجاوز کر جانے کو منع فرمایا ہے، حقیقی چیزوں کی تعریف کی ممانعت نہیں۔

ایک آیت کے عموم سے تملق و چاپلوسی پہ خوش ہونے والے شخص کے لئے عذاب جہنم کی سخت وعید بھی ثابت ہوتی ہے: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ. وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (اور کہہ دیجئے) ان لوگوں کو جو اپنے کرتوت پر اتراتے ہیں اور کیا (کچھ بھی) نہیں۔ اور (اس پر) خواہشیں کرتے ہیں کہ ہماری تعریف ہو۔ سو ان کی نسبت یہ نہ سمجھنا کہ انہوں نے عذاب (دوزخ) سے رستگاری حاصل کر لی ہے (بلکہ) ان کے لئے (تو) عذاب دردناک (تیار) ہے، (تفسیر حقانی: آل عمران: ۱۸۸)

آج کا اخلاقی و سماجی ناسور : خوشامد، مدح سرائی، تملق، قصیدہ گوئی آج معاشرے کا اخلاقی ناسور بن گیا ہے، سوشلستان میں لائک و کومنٹس کی شکل میں اس مرض کا تعدیہ کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے، خود ستائشی کا مزاج ایسا بنتا جا رہا ہے کہ اگر کسی کی تخلیقات و تحریرات پہ توصیفی تبصرے نہ کئے جائیں تو تعلقات میں بدمزگی تک پیدا ہو جا رہی ہے، جب کہ شریعت اسلامیہ نے اس کے انسداد کا تاکیدی حکم دیا، اور اس کے سنگین نتائج بد سے آگاہ بھی کیا ہے۔ حقیقی خوبیوں پہ حوصلہ افزا کلمات کہنا بلاشبہ جائز ہے، اس میں جادوئی اثر انگیزی مخفی ہوتی ہے، اس سے حوصلے جواں ہوتے، عزم کو پختگی ملتی ہے، صلاحیتیں بکھرتی ہیں، جب کہ خوشامد و چاپلوسی سفید جھوٹ، مبالغہ آرائی اور ریا و نفاق ہے، یا ان چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ اس میں مدح کی ذاتی منفعت چھوڑ کر باقی سب کے لئے عظیم نقصانات ہیں، تواضع وللّٰہیت کو کام میں لاتے ہوئے اس سرطان سے بچا جا سکتا ہے، وگرنہ اس کے مہلک جراثیم بالکل سبک گامی سے ہمارے دین و ایمان میں سرایت کر اس کا تیا پانچا کر کے ہی چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ ہماری اس سے مکمل حفاظت فرمائے۔ آمین

○○○

انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے۔ ظالم کی مدد کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اس کا ہاتھ پکڑ لو، یہی اس کی مدد ہے۔ (بخاری)

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی سماج انسانی حقوق کے سلسلے میں اس قدر بیدار ہو جائے کہ وہ ظالم کو ظلم نہ کرنے دے اور مظلوم کی مدافعت کے لئے کمربستہ ہو جائے تو وہ بہترین اور اعلیٰ قدروں کا حامل سماج بن جائے گا۔

کمزور طبقات کے جن حقوق کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی حیثیت محض خوش نما نظریات اور اصولوں کی نہیں ہے، بلکہ ان پر اسلامی ممالک میں صدیوں تک عمل ہوتا رہا ہے اور یہ طبقات ان سے بہرہ ور ہوتے رہے ہیں۔ کبھی ان حقوق کی پامالی ہوئی تو ان کی حفاظت کرنے اور ان کے سلسلے میں بیداری لانے کی کوشش بھی ہوتی رہی ہے۔

دور حاضر میں اسلام کو جبر و تشدد اور خونریزی کا مذہب سمجھا جاتا ہے یا سمجھانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کو عام کیا جائے اور دنیا کو بتایا جائے کہ اسلام انسانی حقوق کا پاسباں اور علم بردار ہے۔ کمزور طبقات کے حقوق کی حفاظت میں اسے دوسرے قوانین پر سبقت حاصل ہے۔ اس نے اس میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

○○○

فقہی مسائل | مفتی راشد حسین ندوی

سوال وجواب

س : کیا زندگی میں حصہ تقسیم کیا جاسکتا ہے؟ ایسا کرنا ہو تو کیا سارا قرض ادا کرنے کے بعد تقسیم کرنا چاہئے؟

ج : میراث کی تقسیم کسی کی موت واقع ہونے کے بعد ہوتی ہے، زندگی میں بھی تقسیم کی جاسکتی ہے، لیکن اس کی حیثیت ہبہ کرنے کی ہوتی ہے، اگر مورث کی موت کے بعد تقسیم میراث کرنی ہو تو پہلے قرض ادا کرنا ضروری ہے، کوئی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہے تو چونکہ اس کی حیثیت ہبہ کی ہے اور ہبہ کرنے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ پہلے پورا قرض ادا کیا جائے لہٰذا قرض کی ادائیگی سے پہلے بھی تقسیم کی جاسکتی ہے، لیکن ظاہر بات ہے کہ جب کسی کے ذمہ بھاری قرض ہو، تو اس کی ادائیگی کے پختہ انتظامات کئے بغیر اپنا پورا مال تقسیم کرنا نہ شرعاً صحیح ہوسکتا ہے نہ عقلاً۔ (شامی-۵/۵۳۶)

س : بعض لوگ اتنی آہستہ آواز میں یا مبہم انداز میں سلام کرتے ہیں کہ پوری طرح سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ سلام کیا ہے یا نہیں، تو کیا اس صورت میں بھی سلام کا جواب دینا واجب ہے؟

ج : جواب دینا واجب اسی وقت ہے جب صاف طریقہ سے اور اس طرح سلام کرے کہ سنائی دے۔ (ہندیہ-۵/۳۲۶)

قارئین رضوان سے دعائے مغفرت کی درخواست

ہماری اہلیہ کے حقیقی چچا جناب علیم الدین صاحب ۱۴ر جولائی ۲۰۲۰ء کو ۷۲ سال کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

مرحوم کا تعلق ایک سادات گھرانے سے تھا، اور وہ فوج میں ملازم تھے، دوران ملازمت میں بھی ہمیشہ صوم وصلاۃ کے پابند تھے۔ عالم جوانی میں ہی مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم ہوگیا تھا اور آخر تک قائم رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ تقریباً ۴۸ سال تک تکیہ کی مسجد میں ماہ رمضان میں اعتکاف کرتے تھے کبھی ناغہ نہیں ہوا، اسی سال لاک ڈاؤن کی وجہ سے اعتکاف نہیں کرسکے۔ اور دنیا سے رخصت ہوگئے۔

مرحوم بہت فیاض اور سخی اور خاندان پرور تھے برابر خاندان والوں سے حسن سلوک کیا کرتے تھے، مدارس اور مساجد کے لوگوں کا بڑا خیال کرتے، عالم اور حافظ کی بڑی قدر کرتے تھے، دینے والے تھے لینے والے نہ تھے۔ "**الید العلیا خیر من ید السفلی**" کے مصداق تھے دنیا کی زندگی میں بھی کامیاب تھے اور امید ہے کہ آخرت میں بھی کامیاب ہوں گے۔

مرحوم کا بزرگوں اور اللہ والوں سے تعلق قائم ہونے کی وجہ سے اس کے اثرات ان کی زندگی میں مرتب ہوئے اور ریٹائرڈ ہونے کے بعد دعوت وتبلیغ کے کام میں لگے رہے۔ باجماعت نماز پڑھنا، تہجد واشراق ان کی زندگی کا معمول رہا۔

جو لوگ آخری وقت ان کے پاس تھے انہوں نے بتایا کہ جب ان کو اندازہ ہوگیا کہ وقت قریب آگیا ہے تو فوراً کلمہ طیبہ کا ورد شروع کردیا اور کلمہ پڑھتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی سیئات کو حسنات سے مبدّل فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

یہ عجیب سوء اتفاق ہے کہ اسی بلڈنگ سے ایک وقت میں دو جنازے نکلے ایک تو علیم الدین صاحب کا دوسرے ان کے نواسے یعنی ان کے بڑے بھائی (سید علی الدین) کا نواسہ محمد مزمل جو چند گھنٹوں کی بیماری میں داغ مفارقت دے گیا۔

آہ! اس ماں کے دل پر کیا گزری ہوگی جس کا ۳۴ سالہ اکلوتا بیٹا اور اپنی بہنوں کا اکلوتا بھائی آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہوگیا۔ ہم تمام اہل خاندان کی دلی تعزیت کرتے ہیں۔ اور صبر جمیل کی توقع رکھتے ہیں۔

دونوں کی نماز جنازہ مولانا بلال عبدالحی حسنی نے پڑھائی۔ علیم الدین کی اولاد میں دو بیٹے، سعید الدین۔ کلیم الدین۔ دونوں بیٹے دبئی میں رہتے ہیں۔ اور خوش وخرم زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک بیٹی، جو بریلی میں رہتی ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے۔ قارئین رضوان سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

والسلام

محمد محی الدین ندوی

میں نے کیوں اسلام قبول کیا؟

بحوالہ روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد

نمائش کی سیر و تفریح قبولِ اسلام کا سبب بنا

ایک عیسائی کے اسلام قبول کرنے کی ایک بصیرت افروز داستان

کیا آپ تصور کرسکتے ہیں کہ کسی نمائش کی سیر، کسی شخص کی فکر و نظر کو بدل سکتی ہے؟ آپ کا جواب کیا ہے؟ مجھے نہیں معلوم، لیکن میرے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، جب میری فکر و نظر کی دنیا بدل گئی۔ میں مسلمان ہوگیا۔ اگرچہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے میں پانچ سال تک لگاتار سوچتا رہا، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ میرا پہلا تجربہ ہی تھا جو آہستہ آہستہ مجھے اسلام کی طرف لے آیا۔ اس دوران بہت سی تبدیلیاں آتی رہیں، شکوک و شبہات کے طوفان بہت آتے رہے۔ ایک مرتبہ مجھے ایسا لگا کہ میں اپنے آباواجداد کے نظریات کو چھوڑ کر ایک غلط راستہ کی طرف جارہا ہوں، لیکن از سرِ نو جب میں نے سوچنا شروع کیا تو ہوا یہ کہ میں نے اپنے ذہن میں ایمان و یقین کی جو بنیادیں قائم ہیں، وہ درست ہیں اور مستقل مزاجی کے ساتھ مجھے صورتحال کا جائزہ لینا چاہئے۔ بات آج کی نہیں، بلکہ چالیس سال پہلے کی ہے، جب میری آرزوئیں اور تمنائیں جوان تھیں اور میں سیاست کا بیحد شوقین تھا۔ پیرس میں ایک نمائش لگی تھی، جسے دیکھنے کے لئے میں گیا تھا۔ نمائش گاہ میں ایک خوبصورت گوشہ تھا جہاں اسلامی کتابوں کو نمائش کے لئے رکھا گیا تھا۔ یہاں آپ کو یہ بتلانا بہت ضروری ہے کہ بچپن ہی سے مجھے اسلام سے عناد تھا۔ چلتے چلتے میرے قدم اچانک رک گئے۔ میں نے سوچا کہ میرے دشمن یہاں موجود ہیں اور وہ اتنے توانا ہیں کہ انہوں نے اپنی کتابوں کو نمائش کے لئے یہاں لاکر رکھ دیا ہے۔ جی چاہا کہ اس گوشہ کو تہس نہس کردوں۔ اچانک میری نظر ایک کتاب پر جاکر ٹک گئی۔ میں حیرت میں پڑگیا، میں نے اپنا ہاتھ کتاب کی طرف بڑھایا اور کتاب اٹھاکر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ ہوا کے تازے جھونکے چلنے لگے۔ کتاب کے عنوانات ہی کچھ ایسے تھے، جنہوں نے میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک دیا تھا۔ کتاب میں عیسائیت اور اسلام کا تقابلی مطالعہ کیا گیا تھا۔ کتاب کے ابواب اور اس کے عنوانات اتنے دلچسپ تھے کہ میں جامد و ساکت ہوکر رہ گیا۔ قریب سے ایک کرسی میں نے کھینچ لی اور اس پر بیٹھ کر کتاب کو پڑھنے لگا، میں نے بین السطور سے سمجھ لیا کہ کتاب نہایت فاضلانہ نوعیت کی ہے اور اسے پڑھ کر بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ جب میں نے وہاں کے منتظم سے کتاب خریدنے کی خواہش ظاہر کی تو اس نے بتایا کہ یہاں نمائش میں موجود کتابوں کو خریدا نہیں جاسکتا۔ وہ صرف نمائش میں لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے رکھی گئی تھیں۔ کتاب خریدنے کے لئے مجھے پیرس کے اسلامی سینٹر میں جانا پڑے گا۔ چنانچہ اگلے دن میں اسلامک سینٹر چلا گیا اور کتاب کو خرید لایا۔ خریداری پر مجھے ڈسکاؤنٹ بھی دیا گیا۔ مجھے تعجب ہوا کہ کتاب اتنی قیمتی اور قیمت اتنی معمولی۔

میں نے کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا اور عیسائیت و اسلام کے مابین جو فرق تھا اسے پڑھ کر میری سمجھ میں آنے لگا۔ یہاں یہ تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ میرے والدین اور خاندان کے دیگر افراد بیحد

متعصب تھے بچپن ہی سے مجھے سمجھا دیا گیا تھا کہ اسلام عیسائیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اسلام کے نمودار ہونے سے پہلے ساری زمین پر عیسائی مذہب پھیلا ہوا تھا، لیکن اسلام نے آ کر عیسائی مذہب سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا اور بہت سے عیسائی ورغلانے میں آ کر اپنے مذہب سے دور چلے گئے اور مسلمان بن گئے، اس لئے عیسائیوں کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کریں اور ان کو سمجھائیں کہ اسلام کے آنے سے پہلے وہ عیسائی تھے، لیکن ورغلانے کی وجہ سے انہوں نے اپنا آبائی دین و مذہب چھوڑ دیا۔ اچھا ہے کہ وہ اپنے آباء و اجداد کے مذہب کی طرف واپس آ جائیں اور عیسائی بن جائیں، لیکن جب میں نے کتاب کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اسلام کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جو دل میں داخل ہونے کے بعد دل سے دور ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال دنیا میں بڑی تعداد میں لوگ اسلام قبول کرتے ہیں اور اس کی اطلاعات میڈیا کے ذریعہ عام لوگوں تک پہنچتی رہتی ہیں۔ یقینی طور پر یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں ہر عمر کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ نوعمر بچے بھی اسلام قبول کرنے میں بڑوں کے مقابلوں میں پیچھے نہیں ہیں۔ مغربی ممالک میں اسلام کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اگرچہ وہاں کی حکومتیں مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتی ہیں اور مسلمانوں کو تعصب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ خواتین بھی بکثرت اسلام قبول کرتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے کہ تمام رکاوٹوں کے باوجود اسلام لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ کیوں بناتا جا رہا ہے۔ اس سوال کا جواب مجھے کتاب کے تقابلی مطالعہ سے ملا۔ وجہ یہ ہے کہ اسلام امن و سکون کا مذہب ہے۔ یہ زمین پر انسانوں کو آپسی محبت کے ساتھ زندہ رہنے کا پیغام دیتا ہے۔ جنگ و جدال سے اسلام کو سخت نفرت ہے۔ اس لئے لوگ اس کے دامن میں پناہ لے کر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام ایک خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی بنیاد یہی ہے کہ ایک خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان لایا جائے جب کہ عیسائی مذہب میں ایک خدا کا تصور موجود نہیں ہے۔ پادریوں نے اپنے اپنے مفادات کے پیش نظر خدا کے تصور میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مریم علیہا السلام کو پاک روح مانتے ہوئے یہ یقین رکھتے ہیں کہ ان دونوں کی سفارش پر خدا اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے جب کہ اسلام میں اس طرح کا تصور حرام ہے۔ اسلام کے مطابق خدا اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ ہر زمانے میں خدا نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے ہیں۔ جو خدا کی طرف سے ہدایت لے کر اپنی امتوں کی طرف آتے رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ان میں سے ایک تھے۔ میری طبیعت پر اس بات کا بہت اثر ہوا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی خدا کا پیغمبر مانتے ہیں کسی پیغمبر کی تکذیب نہیں کرتے جب کہ عیسائی آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں کے اخلاق کا یہ پہلو میرے نزدیک بہت اہم ہے کہ وہ دونوں پیغمبروں کو اپنے ایمان کا حصہ قرار دیتے ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ بات مکمل طور پر میری سمجھ میں آ گئی کہ اسلام صرف چند مذہبی عقائد یا رسومات کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں ماں کی گود سے لیکر قبر میں جانے تک کی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے اور زندگی کا کوئی ایسا مسئلہ باقی نہیں ہے جو اسلام کی شریعت میں موجود نہ ہو، دنیا کے ہر گوشہ میں رہنے مسلمانوں کے لئے اسلام ایک ایسا آئین ہے جس کو یکساں طور پر مسلمان قبول کرتے ہیں۔ اسلامی قاعدے اور ضابطے ہر قدم پر مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ کسی ایسے

معاملے یا مسئلے کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ جو اسلام کے آئین یعنی شریعت سے باہر رہا ہو۔ مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ گوشہ زندگی کا کوئی معاملہ یا سوال ایسا نہیں ہے جس کا جواب اسلامی آئین میں موجود نہ ہو۔ اس کے برخلاف جب میں نے زندگی کے سوالات کے بارے میں عیسائی مذہب سے جوابات طلب کئے تو ایک سناٹا چھایا رہا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ موجودہ عیسائی مذہب اپنی اصل شکل وصورت میں موجود نہیں ہے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں بھی تفصیلات عیسائیوں کے پاس نہیں ہیں جب کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہت سی پہلو موجود ہیں جن سے عیسائیوں کا فریب کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ عیسائیوں کا مفروضہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا گیا تھا لیکن دنیا کی کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے پیغمبر کو سولی پر چڑھایا گیا ہو۔ قرآن مجید میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ تفصیل یہ موجود ہے کہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا۔ عیسائی عقیدے کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ خدا کو اکیلا اور واحد نہیں مانتے ہیں بلکہ انہوں نے وحدانیت کے تصور کو ہی نیست و نابود کردیا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت ثابت ہورہی ہے کہ عیسائیت صرف عقیدوں کا نام ہے اور یہ عقیدے زندگی میں استعمال نہیں کئے جاسکتے۔ ممکن ہے کہ ہزاروں سال پہلے زندگی کے تقاضے آج کے تناظر کے مطابق نہ رہے ہوں اور اس وقت عیسائی مذہب کے تصورات قابل قبول سمجھے جاتے رہے ہوں۔ لیکن زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ عیسائیت کے نظریات فرسودہ ہوگئے اور رہی سہی کسر پادریوں نے پوری کردی۔ ہر زمانے میں اور ہر ملک میں پادریوں نے اپنے مفادات پورے کرنے کے لئے عیسائی مذہب کے اصولوں میں تبدیلی پیدا کردی۔ جس کی وجہ سے یہ مذہب ماضی کا ایک ایسا مذہب بن گیا ہے جس کی حقیقت کو سمجھنا اب ممکن نہیں رہا ہے لیکن اسلام اپنے آغاز سے ہی ایک ایسا لافانی مذہب بن کر سامنے آیا ہے جس کے اصول وضوابط میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جو الہامی ہے اور جس میں انتہائی معمولی تبدیلی کرنا بھی ناممکن ہے۔ یہاں تک کہ اس کے حروف کی ادائیگی میں بھی کوئی لغزش نہیں کی جاسکتی ہے۔ گذشتہ ۱۵۰۰ سال سے اسلام کے دشمن یہ کوشش کرتے آرہے ہیں کہ کسی طرح قرآن مجید میں کوئی تبدیلی لے آئیں، لیکن دشمنان اسلام اپنی کسی اسکیم میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ دنیا میں قرآن مجید کے کروڑوں حفاظ موجود ہیں۔ جن کے سینوں میں قرآن مجید محفوظ ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کا فن بھی دنیا کے تمام مسلمانوں میں رائج ہے جس کی وجہ سے اس کتاب میں کسی بھی تبدیلی کو لانا اس کے تلفظ کو بگاڑنا ناممکن ہے۔ اصل میں یہی وہ پہلو ہے جس نے میرے دل ودماغ کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس کے علاوہ سماجی، معاشی اور تہذیبی پہلوؤں نے بھی مجھے بیحد متاثر کیا۔ دنیا کی تاریخ کے مناظر بھی میرے ذہن میں تازہ ہوگئے اور میرا ایمان اسلام کے سلسلہ میں اس درجہ پختہ ہوگیا کہ اگر میری جان بھی چلی جائے تو میں اسلام سے روگردانی نہیں کرسکتا۔ دنیا کا کوئی مذہب مثال کے لئے بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا جس کے ماننے والے اپنے مذہب کو بچانے کے لئے اپنی جانیں نثار کرتے ہوں۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جس کے ماننے والے یعنی مسلمان اسلام کی حفاظت کے لئے بے دریغ اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ خدا کرے میری زندگی بھی اسلام کی حفاظت کرتے ہوئے کام آجائے اور جام شہادت میری تقدیر کا حصہ بنے۔ آمین

○○○

آخری صفحہ

مولانا محمد قمر الزماں ندوی
استاد مدرسہ نورالاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ

مقام و مرتبہ اور مزاج کی رعایت ضروری ہے

مذہب اسلام نے ہمیں یہ بتایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اور اسوہ دیا ہے کہ لوگوں سے ان کے مقام اور ان کی حیثیت و مرتبہ کے مطابق پیش آنا چاہئے اور سلوک و برتاؤ میں سامنے والے کے رتبے اور عہدے کا خیال رکھنا چاہئے بڑوں کو بڑا سمجھنا، ان کو عزت و رتبہ دینا یہ شریعت کا حکم اور اسلام کی تعلیم ہے۔ ہاں خلاف شرع باتوں میں ان کی پیروی نہیں کی جائے گی اور حکمت و دانائی کے ساتھ مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے وہاں بھی غلطی کی نشاندہی کی جائے گی۔ شریعت نے ہمیں ایک ضابطہ اور اصول دے دیا ہے۔ **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**۔ خالق کی معصیت اور نافرمانی کر کے مخلوق کی اطاعت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ آج معاشرے میں اس بارے میں لوگ افراط و تفریط کے شکار ہیں کہ جب نقد و تبصرہ پر آتے ہیں تو مقام و مرتبہ کا لحاظ بالکل نہیں کرتے بالکل سطحیت اور نچلا پر اتر آتے ہیں فرق مراتب کا بھی خیال نہیں رکھتے، استاد اور شاگرد کا حجاب بھی ختم ہو جاتا ہے اور جب عقیدت و احترام اور محبت و تقدیس پر آتے ہیں تو بعض لوگ پیر کی باتوں کو شریعت کا درجہ دینے لگتے ہیں، طریقت کو شریعت پر ترجیح دینے لگتے ہیں۔ عجمی خانقاہوں میں جو بدعت کے گڑھ بنے ہوئے ہیں آپ وہاں ان خرافات کا کثرت سے مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ کیسی کیسی جہالتیں لوگ دین و مذہب اور نیک عمل سمجھ کر کر رہے ہیں۔ خیر آج میرا یہ موضوع نہیں ہے آج کے پیغام کا موضوع یہ ہے کہ فرق مراتب پر نظر رہنی چاہئے لوگوں سے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق پیش آنا چاہئے اس سلسلہ میں نبوی ہدایات و ارشادات ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ ان کے مزاج و مزاق اور اخلاق کے مطابق برتاؤ کرو۔ لوگوں کے مزاج و مذاق کی رعایت کرنا ان کے مقام و مرتبہ کا خیال کرتے ہوئے ان سے معاملہ کرنا یہ بھی دین کا ہی جز اور حصہ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حدیث کی راویہ ہیں وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **انزلوا الناس منازلهم**..... (ابوداؤد) لوگوں سے ان کے اپنے مرتبہ کے مطابق پیش آو۔ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات معلوم ہوئی اور یہ پیغام ملا کہ ہر آدمی کا سماج اور معاشرہ میں (دین و دنیا کے اعتبار سے) ایک مقام ہوتا ہے۔ ہمارا فرض اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے مقام و مرتبہ پر نظر رکھیں۔ نہ تو وہ درجہ دینے لگ جائیں جو اسے حاصل نہیں اور نہ اس کی اس حیثیت، مرتبہ اور مقام کو نظر انداز کریں جو اسے حاصل ہے۔ علم و فضل۔ تقوی و طہارت اور جائز امتیازات کا پاس و لحاظ اور مقام و منصب کا خیال ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ہم سے عمر میں بڑا ہے تو ہمیں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے۔ جو لوگ صرف مادی نقطۂ نظر سے دنیا اور دنیا کی چیزوں کو دیکھتے ہیں اس قسم کے لوگ محض مال و دولت کو عزت و احترام اور توقیر و شرافت کا معیار سمجھتے ہیں یہ بالکل درست نہیں ہے اور ایسے لوگوں کی کبھی ہمت افزائی نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کے اس عمل کو اچھی نظر سے دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک فاسق و فاجر دولت مند شخص کے مقابلے میں توقیر و تعظیم کا اصل حقدار اور مستحق وہ غریب و

فقیر اور محتاج ہے جو خدا کا طاعت گزار ہے یا جسے خدا نے علم و فضل سے نوازا ہے۔ دین و تقوی کے مقابلے میں دنیوی مال و متاع اور دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کی نگاہ میں سب سے مکرم و محترم اور افضل و اعلی وہ ہے جو متقی اور خدا سے ڈرنے والا ہوگا۔ دنیا کا مال و دولت تو قارون کے پاس بہت زیادہ تھا لیکن خدا نے جب اسے اس کی نافرمانیوں کی وجہ سے پکڑا تو اس کی دولت اس کے کچھ کام نہ آسکی۔ وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ دوسری ضروی اور اہم بات یہ کہ ہمیں لوگوں کے مزاج و مذاق اور ذوق کا بھی خیال رکھنا چاہیے خاص طور مہمانوں کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رہے کہ میزبان ان کے ذوق اور پسند کا بھی خیال رکھنا چاہیے ان کے مزاج و مذاق کی بھی رعایت کرنی چاہیے اگر کوئی اس کا خیال نہیں رکھتا تو گویا وہ میزبانی کے آداب سے ناواقف ہے۔ مشہور عالم دین ،داعی اسلام اور میرے محسن استاد اور مربی حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ نور الاسلام کنڈہ پرتاپگڑھ (جہاں کے وہ ناظم اعلی بھی تھے) میں کئی بار ایک واقعہ کو دسترخوان پر سنایا کہ ایک بار مغربی یوپی کا دعوتی سفر تھا ایک صاحب نے ایک وقت میزبان سے ضد اور خوشامد کر کے مہمانوں کی دعوت کی جب کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو پہلے لقمہ کے بعد ہی محسوس ہوا کہ کھانا بہت تیکھا ہے مرچ کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ میری تو حالت خراب ہوگئی میرے علاوہ دیگر مہمان بھی پانی پر پانی پی رہے تھے اور اس پر حد یہ کہ میزبان نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت! آج تو مرچ کم ہے آپ لوگوں کی رعایت میں، ورنہ تو ہم لوگ اور زیادہ تیکھا سالن کھاتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھ سے ضبط نہ ہوسکا، رہا نہ گیا اور میں نے میزبان کی کھنچائی کی اور سمجھایا کہ مہمان کی رعایت اور مزاج و مذاق کو دیکھ کر کھانا بنانا اور کھلانا چاہیے نہ کہ اپنی پسند اور ذوق کے مطابق کھانے پر مہمان کو مجبور کرنا چاہیے؟ شریعت ہمیں اس بارے میں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ ضیافت کے آداب واصول اور قواعد وضوابط کیا ہیں ان کو بھی ہمیں پڑھنا اور سیکھنا چاہیے یا علماء کرام کی خدمت اور صحبت میں رہ کر معلوم کرنا چاہیے، یہ بھی دین کا اہم اور بنیادی حصہ ہے۔ اس واقعہ سے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شریعت نے سامنے والے کے مقام و مرتبہ اور اس کے رتبے اور عہدہ و حیثیت کا خیال اور رعایت کرنے کا جس طرح حکم دیا ہے اسی طرح اس کے مزاج و مذاق کی رعایت کرنے کا بھی خاص حکم دیا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا خاص خیال رکھتے تھے۔ صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کی بھرپور رعایت کرتے تھے سامنے والے کے مقام و مرتبہ اور حیثیت کے خیال رکھنے اور اس کے مزاج و مذاق کی رعایت کرنے کا حکم دیتے تھے۔ اور خود اس پر عمل کا اہتمام فرماتے تھے۔ آیئے اس سلسلہ میں چند نبوی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں ہمارے اور آپ سب کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ موجود ہے۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کچھ اور لوگ وہاں موجود تھے اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور آپ کی تہبند پنڈلی سے کچھ اوپر تک اٹھی ہوئی تھی بعض روایت میں ہے کہ گھٹنہ کا کچھ حصہ بھی کھلا تھا ممکن ہے کہ اس وقت تک ستر کے احکام نازل نہ ہوئے ہوں۔ خیر آپ اسی ہیئت سے تشریف فرما تھے کہ اچانک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے لیکن آپ اسی ہیئت سے بیٹھے رہے کچھ دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے لیکن آپ کی نشست اسی طرح رہی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہیئت اور نشست تبدیل کر لی اور کپڑے اور تہبند کو نیچے کر کے پنڈلی کو ڈھک لیا۔ ایک صحابی اس منظر کو خاص طور پر دیکھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! ابوبکر صدیق آئے آپ اسی طرح بیٹھے رہے۔ پھر ان کے بعد عمر بن خطاب آئے آپ نے اپنی ہیئت اور نشست میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔ لیکن جب عثمان غنی آئے تو آپ نے اپنی نشست و ہیئت میں تبدیلی کر لی اور کپڑے کو نیچے کر کے آپ نے اپنی پنڈلی کو ڈھک لیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے ان معروضات پر فرمایا کہ میں کیوں نہ اس شخص سے حیا کروں جن کو دیکھ کر فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ ان کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حد درجہ حیادار تھے اس دولت میں وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز و نمایاں تھے۔ شرم و حیا کے پیکر ہونے کی وجہ سے آپ غسل کرتے وقت بھی پیٹ اور پیٹ کو کھول کر نہانا حیا کے خلاف سمجھتے تھے اور کرتا پہن ہی کر زیادہ تر غسل فرماتے اور پھر کپڑے تبدیل کرتے۔ آپ بہت زیادہ نظافت و طہارت کا خیال رکھتے روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ سال بھر تقریباً روزانہ ہی غسل فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے خواب میں جنت دیکھی کہ اس جنت میں بڑا عالی شان محل بنا ہوا دیکھا میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر کا محل ہے۔ ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ وہ مجھے اچھا لگا کہ میرا دل چاہا کہ اندر چلا جاؤں اور اندر جا کر دیکھوں کہ عمر کا محل کیسا ہے، لیکن اے عمر تمہاری غیرت یاد آ گئی کہ تمہاری طبیعت میں اللہ تعالی نے غیرت بہت رکھی ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ عمر سے پہلے ان کے محل میں داخل ہو جانا اور اس کو دیکھنا ان کی غیرت کے مطابق نہیں ہوگا۔ اس وجہ سے میں اس محل میں داخل نہیں ہوا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو رو پڑے اور عرض کیا کہ: **او علیك یا رسول اللّٰہ! آغار؟** یارسول اللہ! کیا میں آپ پر غیرت کروں۔ اگر غیرت ہے بھی تو دوسروں کے حق میں ہے۔ کیا آپ پر بھی غیرت کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے محل میں کیوں داخل ہوئے؟ ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح انسان کو ہمیشہ سامنے والے کے مزاج و مذاق جذبات اور اس کی نزاکت کا خیال رکھنا چاہئے۔ آج کی نئی نسل میں ان چیزوں کا فقدان ہے۔ لوگوں کے جذبات، مزاج و مذاق اور ان کے رتبہ اور عہدہ کا ذرا خیال نہیں رکھتے۔ خاص طور پر میدان صحافت میں نئی نسل کے جو فارغین خامہ فرسائی کر رہے ہیں ان کے اندر تو مراتب رجال کا بالکل پاس و لحاظ نہیں ہے۔ وہ جب نقد پر آتے ہیں تو سامنے والے کی ساری محنتوں اور قربانیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ اور ان کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے آخری حد پار کر جاتے ہیں۔ میں ان نئے قلم کاروں سے درخواست کروں گا کہ وہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رح کی کتاب الاعتدال فی طبقات الرجال۔ کا ضرور مطالعہ کریں۔

○○○

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی ہندی پستکیں

کتاب کا نام	لیکھک	مول	
मन्सबे पैगम्बरी	मौ0 सै0 अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00	
नबियों के किस्से 1,2	"	120.00	
नबी–ए–रहमत	"	250.00	
दस्तूरे हयात (जीवन का पथ–प्रदर्शक)	"	70.00	
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की	"	70.00	
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	"	80.00	
मदीने की डगर	"	70.00	
मानवता का संदेश	"	50.00	
मानवता का स्तर	"	50.00	
अच्छे–अच्छे नाम अल्लाह के	"	25.00	
इस्लाम एक परिचय	"	40.00	
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00	
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुस्सलाम क़िदवाई नदवी	35.00	
तूफान से साहिल तक	मो0 असद	50.00	
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मो0 राबे हसनी नदवी	250.00	
तोहफ–ए–रमजान	"	40.00	
हमारे हुजूर	अमतुल्लाह तसनीम	20.00	
इस्लाम और इस्लामी	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00	
सीरत सुलतान टीपू शहीद	"	220.00	
	Total	1635.00	
	Rate After Disc & Including Postal Charges	1000.00	

Ph.: 0522-2741539, A/c : 10863759700, SBI Main Br. Lucknow, IFSC : SBIN0000125